July 2022

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

قربانی کی حقیقت

”آج مسلمانوں نے اللہ کے لیے قربانی کا مطلب صرف یہ سمجھ لیا ہے کہ ہر سال حج کر آیا کرو، ولیمہ اور عقیقہ کی شاندار دعوت کر دیا کرو اور بقرہ عید میں کسی جانور کی قربانی کر لیا کرو اور اس کے بعد سال بھر چین کی بانسری بجایا کرو، یاد رکھئے اللہ کی مدد کا وعدہ بکرے کی قربانی کے ساتھ نہیں، بلکہ عادت کی قربانی اور خواہش کی قربانی کے ساتھ مشروط ہے، اللہ کو کچے یا بھنے گوشت کی طلب نہیں، اس کے پاس دل کا ادب ولحاظ، خدا کا خوف اور خدا کی محبت اور خدا کے لیے نفس ومال کی قربانی پہنچتی ہے اور اسی میں اس کی رحمت کو متوجہ کرنے کی طاقت ہے، قربانی کی حقیقت یہ ہے کہ پہلے آدمی اپنے ارادہ، اپنی خواہش، اپنی عادت اور اپنے مزاج کے گلے پر چھری پھیرے اور اس قسم کے ہر موڑ پر خدا کے ڈر اور آخرت میں جواب دہی کے خیال سے برائی سے اپنا ہاتھ روک لے۔“

مولانا محمد الحسنیؒ

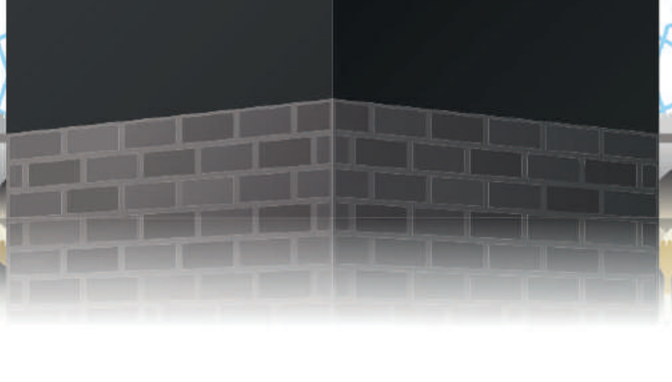

مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

ہندوستانی مسلمانوں کا سیاسی شعور

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

’’ہندوستانی مسلمانوں میں سیاسی شعور پیدا کرنے، سیاسی مسائل اور عوامل کو سمجھنے اور غور کرنے اور حالات کے مطابق سرد یا گرم رویہ کا خوگر بنانے کا کام مختصر لفظوں میں سیاسی تربیت کا کام کبھی نہ ہوسکا، اس کا قدرتی نتیجہ ہے کہ جن حالات میں جوش وخروش اور ہنگامہ خیزی مفید ہوا ان میں تو وہ اب بھی بہت اچھا رول ادا کرسکتے ہیں، بشرطیکہ قیادت صحیح اور قابل اعتماد ہو، لیکن دوسرے حالات میں سوائے اس کے کہ ان کے اکثر عوام وخواص کچھ جلی کٹی باتوں سے دل کی بھڑاس نکالیں یا ان کے کچھ قائدین صرف عاجزانہ درخواستیں ارباب حکومت کی بارگاہ میں پیش کریں، کوئی اور مفید اور نتیجہ خیز کام نہیں ہوتا اور نہ لوگوں کو اس کے امکانات نظر آتے ہیں۔

دوسری اہم چیز جس کو مسلمانوں کی سیاسی پسماندگی میں بڑا دخل ہے، مسلمانوں کے دولت مند طبقہ کی یہ کیفیت ہے کہ وہ سیاست سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہتا اور اس کی اہمیت کو بالکل نہیں سمجھتا، اس لیے اس میدان میں اپنا فرض وہ بالکل ادا نہیں کرتا، کس قدر حیرت کی بات ہے کہ اسی ملک میں رہنے والی وہ قوم جو ساری اقلیتوں کی حفاظت کے لیے کافی ہے، اس کے دولت مند چونکہ سیاست کی اہمیت اور اس کے ہمہ گیر اور دوررس اثرات کو جانتے سمجھتے ہیں، اس لیے اتنی مضبوط اور محفوظ اکثریت میں ہونے کے باوجود وہ کروروں روپیہ صرف پریس پر خرچ کرتے ہیں۔

لیکن ہمارے مسلمان سرمایہ دار اجتماعی طور پر بھی آج تک ایک انگریزی روزنامہ کا انتظام نہیں کرسکے، جب کہ اس گئی گزری حالت میں بھی ان میں ایسے لوگ موجود ہیں جو اگر اس کمی کو پورا کرنے کا فیصلہ کرلیں تو ایک اعلیٰ درجہ کا روزنامہ ممبئی سے، ایک کلکتہ سے، ایک مدراس سے، ایک دہلی سے نکل سکتا ہے، لیکن سیاست سے بے تعلقی بلکہ اس باب میں بے شعوری کا حال یہ ہے کہ جو لوگ بیٹوں بیٹیوں کی شادیوں میں ایک ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ خرچ کردیتے ہیں، ان سے اگر کہا بھی جائے تو وہ اس مد میں ایک ہزار روپیہ دینے کو آمادہ نہ ہوں گے اور یہ حال صرف بے پڑھے یا کم تعلیم یافتہ سیٹھوں ہی کا نہیں ہے، ہمارے تعلیم یافتہ دولت مندوں کا حال بھی اس معاملہ میں قریب قریب ہی ہے۔

مسلمانوں کی سیاسی پسماندگی کے ظاہری اسباب میں اور بھی بعض داخلی کمزوریوں اور غلطیوں کا ذکر کیا جاسکتا ہے، لیکن ہمارے نزدیک سب سے بڑا دخل ان دو باتوں کا ہے، اس لیے سب سے پہلی ضرورت تو ہے سیاسی تربیت کی اور حالات کے مطابق مزاج بنانے کی، یہ کام اردو اخبارات بھی اچھی خاصی حد تک کرسکتے ہیں اور دوسری ضرورت ہے اس راہ میں مسلمان دولت مندوں کی فرض شناسی اور صحیح طور پر اپنے فرض کی ادائیگی کی۔ اور ان سب باتوں سے پہلے ضرورت ہے غیر مختلف چیزوں میں ان کے مختلف عناصر کے باہم اجتماع اور تعاون اور اشتراکِ عمل کی۔‘‘

(الفرقان: ۳/۱۳۸۴ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۱۴ جولائی ۲۰۲۲ء - ذی الحجہ ۱۴۴۳ھ شمارہ: ۷

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

قربانی کے آداب

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

"مَنْ كَانَ لَهُ ذِبْحٌ يَذْبَحُهُ فَإِذَا أُهِلَّ هِلاَلَ ذِى الْحِجَّةِ، فَلاَ يَأْخُذَنَّ مِنْ شَعْرِهِ وَلاَ مِنْ أَظْفَارِهِ شَيْئاً حَتَّى يُضَحِّيَ."

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(جس شخص کے پاس قربانی کا جانور ہو اور وہ اس کو ذبح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، تو جب ذی الحجہ کا چاند نکل آئے تو وہ اپنے بالوں اور ناخن نہ کاٹے، یہاں تک کہ قربانی کر لے)

(صحیح مسلم: ۱۹۷۷)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی

محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر "پیام عرفات" مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔
www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.15 E-Mail: markazulimam@gmail.com سالانہ زرتعاون: -/Rs.150

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

فہرس

نیا طوفان اور اس کا مقابلہ (اداریہ)......................۳
....بلال عبدالحی حسنی ندوی

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں..............................۴
..........................حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام کا سفر...................۶
.......................حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

سچائی کیا ہے؟..۷
....بلال عبدالحی حسنی ندوی

نکاح کے چند مسائل (۲)..............................۹
....مفتی راشد حسین ندوی

حج وعمرہ - اسلامی شعائر..................................۱۱
....عبدالسبحان ناخدا ندوی

عیدالاضحیٰ کے متفرق مسائل.............................۱۳
حضرت مولانا علی میاں ندویؒ بحیثیت عربی ادیب.......۱۶
....محمد ارمغان بدایونی ندوی

بقائے انفع کا بے لاگ قانون..........................۱۹
....محمد نفیس خاں ندوی

محبت سمجھتے ہیں ہم جس کو احمدؔ

حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتاب گڑھیؒ

ملا جس کو سوزِ نہانِ محبت
وہی ہوگیا رازدانِ محبت
انہی سے ہے روشن جہانِ محبت
جو قسمت سے ہیں کشتگانِ محبت
کرم کی نظر باغبانِ محبت
دکھا دے مجھے گلستانِ محبت
نظر میں ہے سود وزیانِ محبت
رہیں کیوں نہ ہم کامرانِ محبت
کوئی ان سے پوچھے تو شانِ محبت
جو ہیں کوہِ آتش فشانِ محبت
ہمہ وقت خنداں ہمہ وقت رقصاں
مکین محبت، مکانِ محبت
کبھی فرش پر ہیں کبھی عرش پر ہیں
یہ شانِ محبت یہ آنِ محبت
ہے ہر وقت اک کیف ومستی کا عالم
جہاں سے الگ ہے جہانِ محبت
محبت محبت زباں پر ہے جاری
ہماری زباں ہے زبانِ محبت
محبت سمجھتے ہیں ہم جس کو احمدؔ
حقیقت میں وہ ہے گمانِ محبت

بلال عبدالحی حسنی ندوی

نیا طوفان اور اس کا مقابلہ

پوری دنیا اس وقت تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے، خودغرضی کا ایک مانسون ہے جو پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے، یہ خودغرضی انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی، انسانیت کی فکر کرنے والے عنقا ہورہے ہیں، کوئی صرف اپنی ذات میں مگن ہے، تو کسی کو اپنی پارٹی کی فکر ہے، ملک کی فکر کرنے والے اور اس کی سالمیت واتحاد کے بارے میں سوچنے والے کم ہوتے جارہے ہیں، یہ صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے، ہر آنے والا کل خطرات کے بادل لارہا ہے، ضرورت ان جیالوں کی ہے جو انسانیت کی حفاظت کے لیے اور ملک وملت کے لیے قربانی کا جذبہ رکھتے ہوں اور وہ بے خطر اس آگ کو بجھانے کے لیے کود پڑیں، جو گھر گھر لگی ہوئی ہے اور عام لوگ میٹھی نیند سورہے ہیں، کوئی ان کو بیدار کرنے والا نظر نہیں آتا، حالات تو ایسے تھے کہ ہر شخص نکل پڑتا اور اس سے جو بن پڑتا وہ کرتا۔

قصہ مشہور ہے کہ کسی جنگل میں آگ لگی، اس کو بجھانے کے لیے لوگ دوڑ پڑے، ایک چڑیا بھی اپنی چونچ میں پانی لے کر نکلی، کسی نے پوچھا دو بوند پانی سے کیا ہوگا؟ وہ بولی کہ کل جب آگ بجھانے والوں کی فہرست بنے گی تو اس میں میرا بھی نام لکھا جائے گا۔

ایک ایمان والے کے لیے اس سے بڑھ کر کیا بات ہوسکتی ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں میں اس کا نام لکھا جائے، بہت سے ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ پانی سر سے اونچا ہوچکا ہے، حالات اتنے بگڑ چکے ہیں کہ اب امیدیں ٹوٹ چکیں، کوئی پوچھے اسلام جب آیا تو کتنے ماننے والے تھے، اس کی دشمنی پر کتنے لوگ کمربستہ تھے، لیکن یقین رکھنے والوں نے جب سر دھڑ کی بازی لگادی اور انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اپنی جان جوکھم میں ڈال کر سہارا دیا، تو کیا کوئی اس کی پیشین گوئی کرسکتا ہے کہ اس ظالمانہ ماحول کا خاتمہ ہوگا، جہاں عورت کی حیثیت جانوروں کی تھی، وہیں حال یہ ہوا کہ ایک کمزور عورت ایک شہر سے دوسرے شہر جاتی ہے، دولت اس کے پاس ہے، مگر کوئی ہاتھ نہیں لگاتا۔

اس وقت پھر وہ زمانہ جاہلیت نئے رنگ وروپ میں سامنے ہے، نئے اسباب ووسائل نے اس کو اور زیادہ طاقتور بنادیا ہے، اس لیے طوفان کے مقابلہ کے لیے بڑے ایمان والے اور فہم رکھنے والے داعیوں کی ضرورت ہے، سب سے بڑھ کر یہ ذمہ داری ہمارے علماء کی ہے، ان کے پاس شریعت کا نظام اور زندگی کا دستور ہے، وہ میدان عمل میں آئیں، ایک طرف وہ ایمان والوں کے ایمان کو بچانے کی فکر وتدبیر کریں، دوسری طرف وہ انسانیت کی ڈولتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش کریں۔

اس وقت الحاد وارتداد کا ایک طوفان ہے، کوئی شہر اس سے خالی نہیں، بلکہ اس کی تیز وتند ہواؤں سے شاید ہی کوئی محلّہ بچا ہو، اس کو روکنے کے لیے بڑے حوصلہ اور بڑے ایمان کی ضرورت ہے، بڑی تدبیر وحکمت کی ضرورت ہے، ایک ایک گھر پر بلکہ ایک ایک دل پر دستک دی جائے، ایمان کے تقاضے سمجھائے جائیں، نئی نسل کو ضروری دینی تعلیم سے آراستہ کیا جائے اور ان کو ان خطرات سے آگاہ کیا جائے جو سر پر منڈلا رہے ہیں، کس طرح ہم اغیار کا شکار ہورہے ہیں اور کبھی کبھی لاشعور میں ہم آلہ کار بن جاتے ہیں اور اپنوں ہی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

ہماری مسجدیں ہمارے لیے نور کے مینار ہیں، دین کے مراکز ہیں، وہاں سے اسلام کی تعلیم عام کی جائے، مسجد سے متعلق محلوں میں ایک ایک گھر کے حالات معلوم کیے جائیں، ان کا سروے کیا جائے اور ان کی دین ودنیا کی ضروریات کی فکر بھی کی جائے اور اس کے لیے متعلقہ افراد کو تیار کرکے ان سے کام لیے جائیں، جب محلّہ محلّہ یہ محنت ہوگی تو ان شاء اللہ حالات بدلیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت انسان جس طرح درندہ بنتا جارہا ہے، انسانیت دم توڑ رہی ہے، کوئی کسی کی بات سننے کو تیار نہیں، ہر شخص کو اپنا مفاد عزیز ہے، اس صورت حال کو بدلنے کی ضرورت ہے، سب سے بڑھ کر یہ کام مسلمانوں کا ہے، ان کے پاس انسانیت کے لیے پورا پیغام بھی ہے اور نظام بھی، حقوق کی جو باریکیاں اور اخلاق کی جو بلندیاں اسلام میں بتائی گئی ہیں، وہ ایک امانت ہے اور مسلمان اس کے امین ہیں، ان پر ذمہ داری ہے کہ اس کی حفاظت کریں، ان پر عمل کرکے اور اس کے پیغام کو دنیا میں عام کرکے۔

اگر ہم مسلمانوں نے اپنی اس ذمہ داری کو نہیں سمجھا تو خیانت کرنے والوں کا انجام بھی اچھا نہیں ہوتا۔

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

انسانیت کے حال و مستقبل اور سارے تمدنی، معاشی، سیاسی، حتیٰ کہ اخلاقی اور مذہبی مسائل کا انحصار اور تمام فلسفوں وافکار ونظریات کا دارومدار تمام تر اس پر ہے کہ انسان موجود اور محفوظ ہے، اس کو اپنی زندگی کی طرف سے اطمینان، انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا احساس اور اس کے تقدس پر غیر متزلزل عقیدہ ہے، اس عقیدہ نے کہ انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصود اور اس کائنات کا سب سے بیش قیمت وجود ہے اور اس کے اندر بہتر سے بہتر بننے کی صلاحیت موجود ہے، دنیا کے ذہین ترین شریف ترین اور لائق ترین انسانوں کو انسانوں پر محنت صرف کرنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے ان کی ذہنی صلاحیتوں اور ان کے ذہن و دماغ کے سوتوں کو چھیڑا اور وہ تمام اصلاحی، تعمیری، تخلیقی، علمی، ادبی، تمدنی اور روحانی شاہکار وجود میں آئے جن پر قدیم و جدید دنیا کو فخر ہے، تاریخ کے قدیم ترین دور سے لے کر ہمارے زمانہ تک جس چیز نے انسانیت کی شمع مسلسل روشن رکھی، وہ خدا کی یہ نعمت ہے کہ اچھے انسان انسان سے مایوس نہیں ہوئے، انہوں نے اس کو ناقابل علاج مریض اور ناقابل صلاح حیوان نہیں سمجھا، وہ کبھی اس کے وجود سے ایسے متنفر نہیں ہوئے کہ اس کی صورت دیکھنے تک کے روادار نہ ہوں، انہوں نے کبھی اس کے زندہ رہنے کے استحقاق کا انکار نہیں کیا، انسانیت کا چراغ بے تیل بتی کے جل سکتا ہے، وہ ہوا کے تیز جھونکوں اور طوفان کے تھپیڑوں میں روشن رہ سکتا ہے اور انسانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمت والوں اور انسانیت کا درد رکھنے والوں نے برسوں بے تیل بتی کے انسانیت کا چراغ روشن رکھا، انہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور مسلسل فاقہ کر کے جنگلوں اور بیابانوں، کڑاکے کے جاڑوں کی راتوں اور تپتی ہوئی دوپہریوں میں انسانیت کی خدمت کی، ان میں سے کوئی چیز ان کی ہمت کو توڑنے اور ان کو ان کے مقدس کام سے روکنے کے لیے کافی نہ تھی، ان کی نہ ختم ہونے والی قوت مقابلہ کا راز اور ان کی حیرت انگیز قوت عمل کی بنیاد یہ تھی کہ وہ انسان کو دست قدرت کا شاہکار سمجھتے تھے، ان کو انسان کی فطرت سلیم پر یقین و اعتماد تھا، ان کو یقین تھا کہ انسان کے لیے برائی عارضی اور بھلائی اصلی اور فطری ہے، ان کو یقین تھا کہ وہ انسان پر جو محنت کریں گے وہ کبھی نہ کبھی رنگ لائے گی، ان کے عقیدہ میں اس باغ کی ہر کلی کو کھلنا اور حسین بننا چاہیے، عالم انسانی میں کوئی چیز اس سے زیادہ خطرناک اور تشویش انگیز نہیں کہ انسان انسان سے ناامید ہو جائے اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ اس نفرت و یاس کے جنون میں بے زبان عورتوں اور معصوم بچوں پر دست درازی کرے اور غنچوں کو کھلنے اور مسکرانے سے پہلے ہی مسل کر رکھ دے، تعلیم و تربیت ہو یا اصلاح و ترقی، معاشی خوش حالی ہو یا سیاسی استحکام، یہ نشیمن جس شاخ پر قائم ہے اور ہمیشہ جس شاخ پر قائم رہے گا وہ انسانی زندگی کے تحفظ اور امن و امان کی فضا ہے، اس لیے نشیمن کو سجانے اور بنانے کے منصوبوں اور اس کی ترتیب و تنظیم کی بحثوں سے پہلے اس شاخ کی حفاظت ضروری ہے۔

بے گناہ کمزور، بے بس اور نہتے انسانوں، عورتوں اور بچوں پر ظلم اور دست درازی خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں اور خواہ یہ اقدام کسی صحیح یا غلط اشتعال کی بنا پر، یا انتقامی جذبہ کے ماتحت ہو، وہ عمل ہے جس نے بڑے بڑے طاقتور، ترقی یافتہ، وسیع اور زرخیز ملکوں اور سلطنتوں کو بے چراغ اور تاراج کر دیا ہے اور تاریخ میں صرف ان کا نام باقی رہ گیا ہے، خدا کے وجود کے بعد جس حقیقت پر تمام مذاہب، فرقوں اور مکاتب خیال کا اتفاق ہے، وہ یہ

ہے کہ ظلم (خواہ کسی سے سرزد ہو) بڑا گناہ (مہاپاپ) اور ملکوں اور قوموں کے حق میں سم قاتل ہے اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر نکل کر رہتا ہے اور اس کی موجودگی میں کوئی ملک یا قوم (خواہ اس کے پاس کیسے ہی قدرتی وسائل، جنگی طاقت، عددی کثرت، شاندار تاریخ اور علم وادب اور فلسفے کے خزانے ہوں) پھل پھول نہیں سکتی۔

مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس موقع پر اردو کا وہ سیدھا سادا شعر پڑھوں جو بچپن میں ہمیں یاد کرایا جاتا تھا اور ہماری تختیوں پر لکھا جاتا تھا اور وہ اپنی سادگی کے باوجود اب بھی اس قابل ہے کہ ایوان حکومت اور قصر عدالت سے لے کر لوح دل تک پر لکھا جائے ؎

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

اس لیے ہر زمانہ میں ملک کے سچی بہی خواہوں اور صاحب ضمیر اور دانشور انسانوں نے جن کی خدا کے بے لاگ قانون اور تاریخ انسانی کے مسلسل تجربوں اور متواتر شہادتوں پر نظر تھی، اپنے ملک اور معاشرہ کے لیے ہر اندرونی اور بیرونی خطرہ سے بڑھ کر اس کو خطرہ سمجھا اور اپنے ملک کے اندر ظلم کرنے والوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، ظلم سے روکنے اور ظلم کی آگ نہ پھیلنے دینے کے لیے انہوں نے اپنی جان کی بازی لگادی اور اس کو ملک کی سب سے بڑی خدمت اور حقیقی حب الوطنی قرار دیا، اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اندر کا ظلم وزیادتی باہر والوں کے ظلم وزیادتی اور ان کی ظالمانہ حکومت سے زیادہ ملک کے حق میں تباہ کن اور خطرناک ہے، بیرونی ظلم کی صورت میں ملک اور قوم مظلوم ہوتی ہے، خدا کی مدد، اچھے انسانوں کی دعائیں اور مظلوموں کی آہیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں اور اندرونی ظلم کی صورت میں وہ ملک خدا کی مدد سے محروم اور خود مظلوموں کی آہوں اور دکھے دلوں کی کراہوں کا نشانہ بنتا ہے، جن کی تاثیر پر تمام مذاہب اخلاقی فلسفوں اور صحت مند وصالح ادب وشاعری کا اتفاق ہے اور جنہوں نے کبھی کبھی (بلا امتیاز مذہب وملت) صدیوں کی وسیع اور مستحکم سلطنتوں کا چراغ گل کر دیا اور ان تہذیبوں اور تمدنوں کو ہمیشہ کے لیے موت کی نیند سلا دیا جن کا کسی زمانہ میں دنیا میں ڈنکا بجتا تھا اور جس کی مثالیں اس مادی اور مشینی دور میں بھی خاندانوں اور محلوں، برادریوں اور بستیوں کے محدود دائرہ میں اب بھی علم میں آتی رہتی ہیں اور خدا کی یہ لاٹھی جس میں آواز نہیں' حقیقت بیں نگاہوں کو اب بھی دنیا کی ان بڑی طاقتوں کے جاہ وجلال کے مرکزوں میں بھی اپنا کام کرتی ہوئی نظر آجاتی ہے، جو اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتے۔

ملک کی طاقت کا حقیقی سرچشمہ اور جینے اور پھلنے پھولنے کے لیے سب سے بڑا سہارا ایسے حق گو اور بے لاگ انسانوں کا وجود ہے جو بڑے سے بڑے نازک اور جذباتی موقع پر ظلم کو ظلم، ناانصافی کو ناانصافی اور غلطی کو غلطی کہہ سکتے ہیں، اگر آپ واقعی کسی قوم کی بیداری اور اس کی زندگی کی صلاحیتوں کو جانچنا چاہتے ہیں اور یہ اندازہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ قوم یا ملک انسانیت اور اخلاق اور علم وفن کی امانت کی حفاظت کی کہاں تک اہل ہے، تو یہ دیکھئے کہ اس میں کتنے ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو تنقید کے موقع پر اپنے پرائے کی تمیز نہ کرتے ہوں، جو صریح غلطی کے موقع پر بڑی سے بڑی اکثریت اور بڑی سے بڑی طاقتور حکومت کو برملا ٹوک دیتے ہوں، جو مظلوموں اور کمزوروں کے لیے سینہ سپر ہوجاتے ہوں اور بگڑے ہوئے حالات میں عیش کے ایوانوں کو چھوڑ کر دیوانوں کی طرح پھرنے لگتے ہوں اور کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کرتے ہوں، جن کو آئندہ کے فوائد اور وقت کے مصالح سچی بات کہنے سے باز نہ رکھتے ہوں، جو حق کی حمایت اور اعلان میں اپنی قوم کا معتوب بننے کو، اپنی قوم کا محبوب بننے پر ہزار بار ترجیح دیتے ہوں، جب سارے ملک میں زیادتی، حق تلفی، جانبداری اور مصلحت پرستی کی ہوا چل رہی ہو، تو وہ اپنا کھانا پینا بھول جائیں اور حالات کو درست کرنے کے لیے کوئی کوشش اٹھا نہ رکھیں، جو وقت کے مسئلہ کے سامنے تمام مسائل کو بالائے طاق رکھ دیں، ہر طرح کے اختلافات کو بھلا دیں، بلا تمیز قومیت وملت انسانی جان وآبرو کی حفاظت کے لیے جان کی بازی لگادیں، اگر ایسے افراد پائے جائیں تو قوم کو مایوس وہراساں ہونے کی ضرورت نہیں!

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا سفر

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ہمارا ایک بندہ ایسا ہے، جس کو ہم نے تم سے زیادہ علم دیا ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ جاننے کی کوشش کہ آخر وہ علم کون سا ہے جو اللہ نے ہمیں بھی عطا نہیں کیا، جب کہ اس نے ہم کو سارے انسانوں کا نبی بنا کر بھیجا ہے اور ہم لوگوں کو وہ علم پہنچاتے ہیں جو اللہ نے ہمیں دیا ہے، یعنی آخرت کا علم، اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا علم اور مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا اس کا علم۔ ظاہر ہے یہ وہ علم ہے جو عام آدمی اپنی سمجھ سے حاصل نہیں کرسکتا، مرنے کے بعد قبر میں اس کے ساتھ کیا سلوک ہوگا، وہ دوبارہ زندہ ہوگا، پھر حساب کتاب ہوگا، یہ سب وہ باتیں ہیں جن کا علم انسان بجائے خود حاصل نہیں کرسکتا، اس لیے کہ وہ محض مادی حال جانتا ہے کہ انسان مرجاتا ہے تو سڑ جاتا ہے اور اس کا جسم کیڑے کھا جاتے ہیں، اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتا، لیکن اس کے علاوہ کیا کیا ہونے والا ہے، وہ سب چیزیں اللہ کے علم میں ہیں، اس نے وہ باتیں اپنے نبیوں کو بتائی ہیں اور نبیوں نے انسانوں کو بتائی ہیں، اسی لیے حضرت موسیٰ نے جاننا چاہا کہ آخر ایسا کون سا علم ہے جو اللہ نے انہیں بھی نہیں دیا، بلکہ اپنے کسی دوسرے بندے کو عطا فرمایا، اس کی خاطر حضرت موسیٰ نے سفر کیا اور حضرت خضر سے ملاقات کی اور چند شرائط کے ساتھ ان کی معیت میں روانہ ہوئے۔

جب ان دونوں حضرات نے اپنا سفر شروع کیا تو راہ میں ایک دریا پڑا، جس کو کشتی کے ذریعہ پار کرنا تھا، دریا میں ملاح ناؤ کے ذریعہ دریا پار کرا رہے تھے، ایک ملاح نے ان لوگوں کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ نیک لوگ ہیں، اس لیے اس نے ان کو بلا اجرت اخلاقاً اپنی کشتی میں سوار کرلیا، اس ملاح کی کشتی ابھی نئی بنی ہوئی تھی، وہ ایک غریب آدمی تھا اور اس کی کمائی کا وہی ایک ذریعہ تھا، لیکن حضرت خضر جب اس کی کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے اس کا ایک تختہ توڑ دیا، ظاہر ہے یہ تختہ نیچے کی طرف سے نہیں توڑا ہوگا، ورنہ ڈوبنے کا خطرہ تھا، بلکہ اس کے کسی ایک کونہ کو معمولی سا ڈھیلا یا عیب دار کردیا ہوگا، جس سے زیادہ سے زیادہ پانی رس رس کر آجائے اور کشتی غرق نہ ہو، لیکن پھر بھی اتنا تو ضرور ہوا کہ وہ کشتی خراب ہوگئی، چنانچہ حضرت موسیٰ سے برداشت نہ ہوا اور انہوں نے کہا: یہ آپ نے کیسا بداخلاقی کا ثبوت دیا ہے کہ اس غریب آدمی کی کشتی ہی توڑ دی؟ اس پر حضرت خضر نے کہا: یہ بات آپ وعدہ کے خلاف کررہے ہیں؟ جب کہ آپ نے صبر وضبط سے کام لینے کا وعدہ کیا تھا، حضرت موسیٰ نے کہا: ٹھیک ہے ہم اپنی غلطی مانتے ہیں، ہمیں معاف کردیجیے اور اگر اب ہم بھول جائیں تو آپ ہم کو اس پر مجرم نہ سمجھئے گا۔

دونوں حضرات دریا سے پار ہوکر جب آگے بڑھے، تو ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے، ان لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو حضرت خضر نے بلایا اور اس کی گردن اس طرح دبادی کہ وہ مرگیا، ممکن ہے کہ حضرت خضر نے اس طرح گردن دبائی ہو کہ کسی کی نگاہ نہ پڑی ہو اور جب لڑکے کو تکلیف ہوئی ہو تو لوگوں نے سوچا ہو کہ گردن میں کوئی چوٹ وغیرہ لگ گئی ہوگی، لیکن گردن دبانے کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ وہ جاں بحق ہوگیا، چنانچہ حضرت موسیٰ سے یہ بھی نہ دیکھا گیا اور انہوں نے کہا: آپ نے اس لڑکے کو جان سے ماردیا، آخر اس بچہ نے آپ کا کیا بگاڑا تھا، اس معصوم بچہ کی تو کوئی خطا بھی نہیں تھی، بلکہ وہ بالکل پاکیزہ اور صاف ستھرا لڑکا معلوم ہوتا تھا، یہ عمل تو آپ نے ایسا کیا ہے کہ ہر شخص اس کو ناپسند کرے گا، حضرت خضر نے کہا: آپ سے ہمارا یہ وعدہ ہوا تھا کہ آپ ہمارے عمل میں دخل نہیں دیں گے مگر آپ صبر سے کام نہیں لے رہے ہیں فوراً سوال کھڑا کردیتے ہیں، لہٰذا اب اگر آئندہ صبر سے کام نہیں لیا تو پھر ہم لوگ ایک ساتھ سفر نہیں کرسکیں گے، اس لیے کہ جب ہمارے ہر عمل سے آپ کو ایذا پہنچ رہی ہے تو پھر ہمارے ساتھ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے

.................(باقی صفحہ ۱۵ پر)

بلال عبدالحی حسنی ندوی

ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنے کی ممانعت:

حضرت بہز بن حکیمؒ اپنے والد اور دادا کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے کہا: میں نے حضور ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا ہے کہ وہ شخص برباد ہو، جولوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بات کرتا ہو،اس کی بربادی ہو،اس کی بربادی ہو۔(أبوداؤد:۴۹۹۰)

موجودہ دور میں لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولنا مستقل ایک فن ہے اوراب اس میدان میں بڑے بڑے فنکار پیدا ہوگئے ہیں، جن کا کام ہی ہنسانا ہوتا ہے، مارکیٹ میں ان کے کیسٹ چلتے ہیں اور اب تو جدید وسائل اور نیٹ کا دور ہے، ان پر ایسی ایسی چیزیں موجود ہیں جو گویا وقت برباد کرنے کا ایک ذریعہ ہیں اوران میں لوگوں کو لطف آتا ہے۔ان فن کاروں کا کام ہی آواز بدلنا یا جھوٹ بولنا ہوتا ہے،جس میں فحاشی تک بات پہنچ جاتی ہے،فحش گوئی ہوتی ہے، گویا اس میں ایک خرابی نہیں بلکہ متعدد خرابیاں ہوتی ہیں، لیکن اس زمانہ میں اس کا رواج ہے اور دیندار لوگ بھی اس میں مبتلا ہوتے ہیں، اگر وہ خود ایسا نہیں کرتے تو سنتے ہیں، حالانکہ غلط چیز کا کہنا بھی غلط اور غلط چیز کا سننا بھی غلط، الا یہ کہ آدمی کبھی تحقیق حال کے لیے اور جاننے کے لیے سنے کہ اس میں کیا خرابیاں ہیں؟ ان خرابیوں کو جاننے کے لیے جو اصحاب تحقیق ہیں اور ان کو جاننے والے جو بڑے علماء ہیں، وہ معلوم کرنے کی غرض سے کچھ سنیں اور کچھ دیکھیں تا کہ ان کو علم ہو کہ یہ چیز جائز ہے یا ناجائز ہے تو اس حد تک درست ہے۔ ورنہ محض تفریح کے لیے سننا درست نہیں، جیسا کہ آج کل اس کا بہت رواج ہے کہ لوگ ایسے لوگوں کی باتیں سنتے ہیں، ان کی کیسٹیں سنتے ہیں اوران کا صرف کام ہی یہی فنکاری کرنا ہوتا ہے، جس میں جھوٹ بولنا تو بنیاد ہے، جب تک جھوٹ نہیں بولیں گے، اس وقت تک ان کی باتوں میں نمک مرچ کہاں لگے گا اور چٹخارہ کہاں سے پیدا ہوگا۔

آپ ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں سخت کلمات ارشادفرمائے ہیں، حدیث میں پہلی مرتبہ فرمایا:"ویل لہ" اور پھر اخیر میں دومرتبہ فرمایا:"ویل لہ، ویل لہ" ایسے لوگوں کے لیے بربادی ہے اور ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے باتیں کرتے ہیں اوراس میں جھوٹ بولتے ہیں۔

محض ہنسانا غلط نہیں:

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگر کبھی ہنسانے کی بات کی جائے، یا کسی کا دل خوش کرنے کے لیے کچھ کہا جائے، جس میں جھوٹ نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ ہوسکتا ہے کہ کبھی یہ چیز باعث اجر بن جائے، کوئی بیچارہ غمگین ہے، کوئی اختلاج میں ہے، کوئی پریشان ہے اور آپ جا کر اس کا دل خوش کر دیں، مذاق کی ایسی باتیں کردیں کہ اس کا ذہن بٹ جائے اوران میں کوئی جھوٹ بھی نہ ہو اور فحش گوئی بھی نہ ہو اور غیبت یا چغلی بھی نہ ہو، یعنی وہ چیزیں جو ممنوع ہیں، جو زبان کی خرابیاں ہیں، وہ کچھ نہ ہوں، اگر اس طرح کی کوئی ہنسانے کی بات ہے، کوئی دلچسپی کی بات ہے یا کسی کو خوش کرنے کے لیے اگر آدمی جا کر کچھ کہتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ تو مطلوب ہے اور کسی کے دل کو خوش کرنا، کسی کو آرام پہنچانا ایک اچھی چیز ہے، تو اگر اس کے ذریعہ سے کسی کا دل خوش ہورہا ہے، کسی کو تھوڑا سا لطف آرہا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس میں شرائط ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ جھوٹ نہ ہو، سب سے خطرناک بات یہی ہے، غیبت نہ ہو، چغلی نہ ہو، فحش گوئی نہ ہو، یعنی وہ چیزیں جو جائز نہیں ہیں وہ اختیار نہ کی جائیں، تب اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسخرہ پن:

اس حدیث سے ایک اور بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مسخرہ پن کو پیشہ نہیں بنانا چاہیے، یہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، کیونکہ اس کے اندر آدمی پھر حدود میں نہیں رہ پاتا، جب زیادہ اس کو اس طرح کی باتیں

کرنی پڑیں گی تو وہ کیا باتیں لائے گا اور کہاں سے لائے گا، اس لیے اس کو جھوٹ بولنا ہی پڑے گا اور بات بنانی ہی پڑے گی جس میں یقیناً تجاوز ہوگا، لہٰذا اس عمل کو مشغلہ نہ بنایا جائے، تاہم کبھی کبھار اس میں کوئی حرج نہیں، گویا یہ نمک کی طرح ہے، تفریحی باتیں نمک کی طرح ہوتی ہیں، اب ظاہر ہے نمک نمک کی طرح ہی ہونا چاہیے، کھانے میں اگر نمک کوئی ایک پلیٹ میں دو تین چمچے ڈال دے تو کھانا زہر بن جائے گا، یعنی آدمی اس کو کھا نہیں سکتا، منھ میں رکھنا مشکل ہو جائے گا، لیکن اگر نمک نہ ہو تو بھی کھانا مشکل ہوگا، پتہ یہ چلا کہ نمک کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن نمک نمک کی طرح ہونا چاہیے، اگر اس میں تجاوز ہوگا تو بات بگڑ جائے گی۔

تفریحی ادب:

تفریحی باتوں کی طرح مستقل تفریحی ادب بھی ہوتا ہے، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے ایک جگہ تفریحی ادب کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ تفریحی ادب بقدر ضرورت ٹھیک ہے، وہاں حضرت مولانا نے یہ بات لکھی ہے کہ یہ نمک کی طرح ہے، بس نمک کو نمک کی طرح ہی ہونا چاہیے، کھانے میں بقدر ضرورت ڈالا جاتا ہے، تاکہ کھانا مزے کا ہو جائے، زیادہ ڈال دیا جائے گا تو کھانا کڑوا ہو جائے گا، آدمی اس کو پھر کھا نہیں سکتا، اس لیے کہ وہ بہت تلخ ہو جائے گا۔

حدیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی شخص ہنسانے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتا ہے تو بربادی ہے، گویا جھوٹ کی بات بطور شرط ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہی مشغلہ اختیار کر لیتا ہے تو یہ کوئی بہت اچھی چیز نہیں ہے، اس لیے کہ پھر یہ سوال قائم ہوگا کہ کیا وہ اس سلسلہ میں احتیاط کر پائے گا؟ اگر احتیاط کر سکتا ہے تو ٹھیک ہے، لیکن ایسا تقریباً ناممکن سا ہے، اس لیے یہ مشغلہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔

تفریحی ادب کے مفاسد:

موجودہ دور میں باطل کو للکارنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسی ایسی چیزیں اور وسائل ایجاد ہو گئے ہیں کہ اگر ہم ان کو نہیں سمجھیں گے تو خطرہ ہے کہ پھر ہم ان کا مقابلہ بھی نہیں کر پائیں گے، اس اعتبار سے ایسا ہو سکتا ہے کہ کہیں اس فن کی ضرورت پڑے، اسی لیے موجودہ دور میں تفریحی ادب کی بڑی اہمیت ہے اور اس پر دنیا میں مستقل کام ہو رہا ہے، اس وقت وہ تفریحی ادب جو یورپ اور اسلام دشمن طاقتوں کی جانب سے آ رہا ہے اور مختلف زبانوں میں آ رہا ہے، حتی کہ اردو میں بھی آ رہا ہے، اس کو لوگ سنتے ہیں اور ان کا ذہن خراب ہوتا ہے، بالخصوص ہمارے نوجوانوں کا ذہن خراب ہوتا ہے، کیونکہ وہ ایسا ادب ہے کہ اس میں تفریح بھی ہے لیکن تفریح کے ساتھ ذہن سازی بھی ہے اور ایسی ذہن سازی ہے کہ اسلام پر اعتماد ختم ہوتا ہے، رسول ﷺ سے محبت کم ہوتی ہے، دین کے بارے میں آدمی کے اندر ذہن ہلکا ہو جاتا ہے، ایسی باتیں ایسے انداز سے پیش کی جاتی ہیں کہ سیدھا سادہ آدمی جب ان کو سنے گا تو اس کے ذہن میں طرح طرح کے شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں گے۔

صالح تفریحی ادب کی ضرورت:

ظاہر ہے ایسے ادب کا مقابلہ کرنے کے لیے یقیناً اس کی ضرورت ہے کہ تفریحی ادب بھی ہونا چاہیے، اسی لیے ہمارے کچھ حضرات ایسے بھی ہونے چاہئیں جو اس کا مقابلہ کر سکیں اور قصوں کہانیوں میں اور ان جدید شکلوں میں جو اس دور میں رائج ہوگئی ہیں، جن میں آدمی باتیں بناتا ہے، آوازیں بدلتا ہے اور سب کچھ کرتا ہے، اگر اس کی بھی ضرورت پڑے، تو ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ نئی نسل کا اسلام پر اعتماد بحال ہو اور یورپ اپنے جو افکار پیش کر رہا ہے اور ان افکار کے نتیجہ میں یورپ کا جو کلچر عام ہو رہا ہے، لوگ اس کی حقیقت سے واقف ہو جائیں، اس کے اندر جو ڈھول کا پول ہے وہ کھل جائے۔ یہ کام ہمارے بہت سے لوگوں نے کیا ہے، وہ اپنی تفریحی باتوں سے بعض مرتبہ ذہن سازی کا کام کرتے ہیں، جیسے وہ ذہن کو خراب کرنے کا کام کر رہے ہیں، اسی طرح ہمارے بہت سے حضرات ہیں جو ذہن سازی کا کام بھی کرتے ہیں۔

نکاح کے چند مسائل (۲)

مفتی راشد حسین ندوی

نکاح کے ارکان:

نکاح کے دوارکان ہیں:(۱) ایجاب (۲) قبول۔

(ہندیہ:۱/ ۲۶۷،شامی:۲/ ۲۸۵)

ایجاب کیا ہے؟ مجلس عقد میں جو کلام میں پہل کرے،اس کے قول کوایجاب کہاجاتا ہے،خواہ شوہر ابتداء کرے اور کہے:"میں نے تم سے نکاح کیا، یا عورت کہے کہ میں نے اپنے کو تیرے نکاح میں دیا، یالڑکی کے وکیل کی حیثیت سے قاضی کہے کہ میں نے فلانہ بنت فلاں سے تمہارا نکاح کردیا، یا فلانہ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں دیا۔" (ہمارے دیار کا تعامل یہی ہے کہ عورت خود مجلس نکاح میں نہیں آتی، اس کی طرف سے قاضی ایجاب کرتا ہے۔) (ہندیہ:۱/ ۲۶۷،شامی:۲/ ۱۸۵)

قبول کیا ہے؟ پھراس کے جواب میں دوسرا فریق جو جملہ بولتا ہے کہ"میں نے قبول کیا" وغیرہ اس کو جواب کہاجاتا ہے۔ (أیضا)

ایجاب وقبول کے صیغے: ایجاب وقبول میں اصل یہ ہے کہ ماضی کا صیغہ استعمال کیا جائے، مثلاً: ایجاب میں کہا جائے کہ میں نے نکاح کیا، یا میں نے اپنے کوتمہارے نکاح میں دیا، یا میں نے فلانہ کوتمہارے نکاح میں دیا اور جواب میں کہا جائے کہ میں نے قبول کیا،اردو میں حال کے صیغہ سے ایجاب وقبول کرتے ہوئے اگر کہا جائے نکاح کرتا ہوں، نکاح میں دیتا ہوں اور قبول کرتا ہوں تو فقہاء نے اس سے بھی نکاح ہوجانے کی صراحت کی ہے، عربی میں دونوں میں مضارع کا صیغہ ہو،تو چونکہ اس میں عقد کرنے کے بجائے وعدۂ عقد کا بھی احتمال ہوتا ہے،لہٰذا اس سے نکاح صحیح نہیں ہوگا،لیکن اگر ایک جانب حال یاامر کا صیغہ ہواور دوسری جانب ماضی کا صیغہ ہوتو اس صورت میں بھی نکاح ہوجائے گا، مثلاً: ایک کہے کہ تم مجھ سے نکاح کرلو، یا قاضی کہے کہ فلانہ سے نکاح کرلواور دوسرا کہے میں نے قبول کیایا"مجھے قبول ہے"تو نکاح صحیح ماناجائے گا۔

(شامی:۲/ ۲۸۵، ہندیہ:۱/ ۲۷۰،الفقہ الاسلامی وأدلتہ:۹/ ۶۵۲۸)

ایجاب وقبول کے لیے اتحاد مجلس شرط ہے:

ایجاب وقبول دونوں کا ایک ہی مجلس میں پایا جانا شرط ہے، اگر ایجاب کے بعد مجلس بدل گئی اس کے بعد قبول کیا تو نکاح صحیح نہیں ہوگا، اسی لیے اگر پیدل چلتے ہوئے ایجاب وقبول کیا جائے، یا کسی جانور کی سواری کرکے چلتے ہوئے ایجاب وقبول کیا جائے تو معتبر نہیں ہوگا اور نکاح صحیح نہیں ہوگا، اس لیے کہ اتحاد مجلس کی شرط نہیں پائی جارہی ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ اگر بائک پر چلتے ہوئے ایجاب وقبول کیا جائے تو معتبر نہیں ہوگا، البتہ کشتی کو فقہاء نے مکان واحد کے درجہ میں مانا ہے، لہٰذا دونوں ایک ہی کشتی میں سوار ہوں اور ایجاب وقبول کریں تو نکاح منعقد ہوجائے گا، بشرطیکہ گواہ وغیرہ جیسی بقیہ شرائط موجود ہوں، ٹرین، ہوائی جہاز، بس اورکار وغیرہ کو بھی کشتی کے حکم میں قرار دیا گیا ہے۔

(شامی:۲/ ۲۸۹، کتاب المسائل:۹۱-۹۲)

گونگے کا ایجاب وقبول: اگر کوئی شخص گونگا ہو،لیکن لکھنا پڑھنا جانتا ہوتو وہ تحریر کے ذریعہ ایجاب یا قبول کرے گااور اگر پڑھ لکھ نہیں سکتا،لیکن اس کے نکاح وطلاق کے اشارہ کوسمجھا جاسکتا ہو تو جب وہ اشارہ سے ایجاب یا قبول کرے تو کافی ہوگا اور نکاح ہوجائے گا۔ (شامی:۲/ ۴۶۱)

تحریر سے ایجاب وقبول: اگر نکاح نامہ پر لڑکے اور لڑکی دونوں سے دستخط کرالیا،لیکن زبان سے ایجاب وقبول نہیں کرایا یا صرف تحریر میں ایک نے ایجاب اور دوسرے نے قبول کیا، لیکن زبان سے صیغوں کی ادائیگی نہیں کی تو نکاح منعقد نہیں ہوا،لیکن اگر دونوں میں سے کوئی ایک مجلس میں موجود نہ ہواور وہ ایجاب تحریری شکل میں بھیج دے، پھر ایجاب کی یہ تحریر دو گواہوں کے

سامنے پڑھی جائے اور دوسرا فریق اس کو سن کر قبول کرلے تو نکاح شرعاً صحیح ہوجائے گا۔ (شامی:۲/۲۸۸)

ایجاب وقبول کے الفاظ: لفظ نکاح اور تزویج (شادی) نکاح کے لیے صریح الفاظ ہیں، اگر ان سے ایجاب کرتے ہوئے کہا جائے کہ میں نے فلانہ سے نکاح کیا، یا شادی کی تو بالاتفاق نکاح صحیح ہوگا، احناف کے نزدیک کچھ ایسے کنائی الفاظ سے بھی نکاح صحیح ہوجاتا ہے، جن سے فوری ملکیت ثابت ہوتی ہو، مثلاً: عورت کہے: ''میں نے اپنی ذات تم کو ہبہ کی، یا میں نے تم کو اس کا مالک بنادیا، یا تمہارے ہاتھ اس کو فروخت کردیا، یا صدقہ کردیا اور شوہر کہے کہ میں نے قبول کرلیا تو نکاح ہوجائے گا، اس کے برخلاف جن سے ملکیت ہی ثابت نہ ہوتی ہو جیسے کہے: میں نے اپنی ذات تم کو عاریت یا کرایہ پر دی، فوری ملکیت نہ ثابت ہوتی ہو جیسے کہے: ''میں نے تمہارے لیے اپنی ذات کی وصیت کی تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔'' (شامی:۲/۲۹۰-۲۹۱، ہندیہ:۱/۲۷۰-۲۷۲)

قبول کے الفاظ تین مرتبہ کہلوانا اور کلمہ پڑھوانا: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک تین بار ایجاب نہ کرایا جائے، نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا، تو اس طرح کی بات کتاب وسنت اور کتب فقہ سے ثابت نہیں ہے، صرف ایک بار ایجاب کرانا کافی ہوتا ہے۔(شامی:۲/۲۸۵، البحر الرائق:۳/۱۴۵ وغیرہ)

اسی طرح بعض علاقوں میں یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ نکاح سے پہلے شوہر سے کلمہ پڑھوایا جائے، غالباً اس کی شروعات اس طرح ہوئی ہوگی کہ کسی کے اسلام میں شک رہا ہوگا، نکاح پڑھانے والے نے احتیاطاً اس کا نکاح پڑھاتے وقت کلمہ پڑھا دیا ہوگا، اب اس کا التزام اس قدر ہوگیا کہ کوئی قاضی کلمہ پڑھوائے تو بہت سے لوگ کہنے لگتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، کتابوں میں کہیں بھی اس کو ضروری نہیں قرار دیا گیا ہے۔ (أیضا)

بعض لوگ ان دونوں مسئلوں میں بریلوی دیوبندی مسلکوں کا اختلاف سمجھتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے، بریلوی علماء نے بھی ان دونوں چیزوں کو لازم نہیں قرار دیا ہے۔

(دیکھئے: مفتی عبدالقیوم ہزاروی کا آن لائن فتویٰ اور فتاویٰ رضویہ)

عقد نکاح کا طریقه: برصغیر ہندوپاک میں عمومی طور سے نکاح اس طرح کیا جاتا ہے کہ پہلے لڑکی سے اجازت لینے جاتے ہیں، جانے سے پہلے ایک کو وکیل قرار دیا جاتا ہے اور دو افراد گواہ کی حیثیت سے ہوتے ہیں، زیادہ تر جگہوں پر قاضی بھی ان کے ساتھ لڑکی کے پاس جاتا ہے اور اس سے اجازت لے کر مجلس نکاح میں آتا ہے، پھر قاضی خطبہ پڑھتا ہے، اس کے بعد لڑکے کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلانہ بنت فلاں سے اتنے اتنے مہر پر کرایا، یا اس کو تمہارے نکاح میں دیا اور شوہر قبول کرلیتا ہے، اس طرح عقد نکاح مکمل ہوجاتا ہے، اس طرح یہاں عموماً مجلس نکاح میں لڑکا اصالۃً موجود ہوتا ہے اور لڑکی وکالۃً موجود ہوتی ہے، فی الجملہ یہ متداول طریقہ ٹھیک ہے، البتہ لڑکی سے اجازت لینے محارم کو جانا چاہیے، اس کی تفصیل ہم آگے بتا رہے ہیں۔ (شامی:۲/۳۲۴)

کورٹ میرج کا حکم:

اگر سرکاری عدالت میں دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں باقاعدہ ایجاب وقبول کرایا جائے تو شرعاً نکاح منعقد ہوجائے گا، خواہ خطبہ نہ بھی پڑھا جائے، لیکن اگر صرف کاغذی کاروائی کی گئی اور ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا تو شرعاً یہ نکاح معتبر نہیں ہوگا۔

(شامی:۲/۲۸۸، ہندیہ:۱/۲۶۷)

خفیہ نکاح کے بعد عمومی نکاح: بہت سے لوگ گھر والوں کی رضامندی نہ ملنے پر خفیہ نکاح کرلیتے ہیں، بعد میں گھر والے راضی ہوجاتے ہیں تو وہ چاہتے ہیں کہ خفیہ نکاح کا معاملہ کھلنے نہ پائے اور بعد میں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، تو اگر زوجین عاقل بالغ تھے اور پہلا نکاح دو مسلمان گواہوں کی موجودگی میں کیا تھا، تو دوبارہ نکاح کی ضرورت تو نہیں تھی، پھر بھی اگر کرلیں تو کوئی حرج بھی نہیں ہے، اس طرح کیا تو اصل نکاح پہلے والا ہی ہوگا۔ ....(باقی صفحہ ۱۲ پر)

حج وعمرہ — اسلامی شعائر

عبدالسبحان ناخدا ندوی

''حج'' قصد کرنے کو کہتے ہیں، حج کرنے والا اللہ کے گھر کا قصد کرتا ہے، اس لیے اس کا شرعی نام ہی حج پڑ گیا، حج کے لیے جانے والا کعبہ کو دیکھنے کا شوق رکھتا ہے، پھر طواف قدوم کرتا ہے، پھر عرفات سے واپسی کے بعد دسیوں دن طواف افاضہ کرتا ہے، پھر رخصت ہونے سے پہلے طواف وداع کرتا ہے، اس دوران گاہے بگاہے مختلف اوقات میں مزید نفل طواف کرتا ہے، گویا وہ مسلسل کعبۃ اللہ کا قصد کرتا ہے، اس لیے اس رکن ہی کو حج کہا گیا، اس کے علاوہ ایک مرتبہ زیارت کعبہ کے بعد اس کے شوق میں اور اضافہ ہوتا ہے، وہ بار بار وہاں حاضر ہونے کا قصد رکھتا ہے، ان تمام کیفیات کو ادا کرنے کے لیے ''حج'' سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہوسکتا تھا۔

''عمرہ'' عربی کا لفظ ہے، ''عَمَرَ'' کا مطلب آباد کرنے کا ہے اور ہر عمرہ کرنے والا اللہ کے گھر کو عبادت سے آباد کرتا ہے، اس لیے اسے ''عمرہ'' کہا گیا۔ عمرہ کرنے والا بھی کعبۃ اللہ کے تعلق سے حاجی سے ملتی جلتی کیفیات رکھتا ہے، وہ بھی اللہ کے گھر کا قصد کرتا ہے اور بار بار اس کا طواف کرتا ہے، اس لیے اس عبادت کو ''عمرہ'' کہا گیا۔

حج وعمرہ اور اس کے وہ اعمال جو ان عبادات کے ساتھ خاص ہیں، وہ شعائر اللہ یا شعائر اسلام میں شامل ہیں، شرعاً اللہ کی اطاعت کو بتلانے والی نمایاں نشانیوں کو شعائر کہا جاتا ہے، قربانی کے جانور اللہ کے شعائر ہیں، یعنی اللہ کا قرب پانے کی نمایاں علامتیں ہیں، ایام حج میں ان کو ذبح کرنے سے خاص قرب نصیب ہوتا ہے، حج کے شعائر سے مراد وہ نمایاں مقامات ہیں جہاں اعمال حج انجام دیے جاتے ہیں، حج کے شعائر حقیقت میں شعائر اللہ کا ایک حصہ ہیں، کسی مذہب پر روشنی ڈالنے والی بنیادی نشانیوں کو شعائر کہا جائے گا، اس لحاظ سے تمام ارکان دین یعنی نماز، روزہ، حج، زکاۃ سب شعائر الاسلام کہلائیں گی، جن عبادات و مقامات کو بنیادی مذہبی حیثیت حاصل ہے وہ سب شعائر ہیں، جیسے مسجدیں، اذانیں، وضو وغیرہ، ہر ادارہ اپنی خاص پہچان کے لیے جو لباس یا نشانات تیار کرتا ہے وہ اس ادارے کے لیے شعائر ہیں، صفا مروہ کو اللہ رب العزت نے اپنے شعائر کہا ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَآئِرِ اللّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَن تَطَوَّعَ خَيْراً فَإِنَّ اللّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾(البقرة: ۱۵۸) (بے شک صفا اور مروہ اللہ کے شعائر ہیں، لہٰذا جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ ادا کرے اس پر ان دونوں کا چکر لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو اپنی خوشی سے خیر کا کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ نہایت قدرداں، سب کچھ جاننے والا ہے)

اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ حج کے وہ نمایاں نشانات ہیں جن سے بعض خاص اعمال حج وابستہ کردیے گئے ہیں، لہٰذا یہ شعائر حج ہیں پھر شعائر اسلام بھی ہیں اور سب سے بڑھ کر اصل بنیاد کے لحاظ سے شعائر اللہ ہیں، صفا و مروہ کے درمیان سعی مستقل عبادت نہیں ہیں، بلکہ حج اور عمرہ کا رکن ہونے کی حیثیت سے عبادت ہیں، جبکہ کعبہ کا طواف، حج وعمرہ کا رکن ہونے کے ساتھ مستقل عبادت ہے۔

سعی کو مشروع کرنے کی مشہور وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضرت ہاجرا اپنے دودھ پیتے بچہ حضرت اسماعیل کی پیاس اور خود اپنی پیاس سے پریشان ہوئیں تو صفا مروہ کے درمیان مستقل چکر کاٹنے لگیں، تاکہ پہاڑی پر چڑھ کر دور تک نظر دوڑائیں کہ کوئی قافلہ ہو تو اس سے مدد حاصل کی جائے، اللہ کو یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ حضرت جبریل

کے ذریعہ حضرت اسماعیل کے قریب ہی ایک چشمہ جاری کردیا جو بعد میں زمزم کے نام سے مشہور ہوا اور حضرت ہاجرہ کی اس دوڑ دھوپ کو حج وعمرے کی ایک اہم عبادت بنایا، اس سعی سے یہ پیغام دیا گیا کہ کوشش کرنے والوں کو پھل ضرور ملتا ہے، یا تو اسی کوشش کو سبب بنایا جاتا ہے، یا اس کوشش کی بنیاد پر کسی اور طریقہ سے نتیجہ برآمد کیا جاتا ہے، اس امت کو ملت ابراہیمی کی امانت سپرد کردی گئی تو ان آیات کے ذریعہ جدوجہد کرنے کا بھی سبق سکھایا گیا، خود قرآن کریم میں صحف ابراہیم وموسیٰ کے حوالہ سے یہ بتایا گیا کہ کوشش کرنے والے کی محنت رائیگاں نہیں جاتی:

﴿أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى ☆وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى ☆أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ☆وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ☆وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ☆ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى﴾

(کیا انسان کو معلوم نہیں کہ موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں کیا لکھا ہے، وہ ابراہیم جس نے وفا کا حق ادا کردیا، یہ لکھا ہے کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اسے اس کوشش کا بھرپور بدلہ ملے گا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنے اسلاف کو اپنے لیے باعث نجات سمجھا تھا، وہ غلط فہمی دور کی گئی اور حضرت ابراہیم سے تعلق رکھنے والی ان کی اولاد نے محض ابراہیمی نسبت کو کافی سمجھ لیا تھا، اس غلط فہمی کا بھی خاتمہ کردیا گیا، امت مسلمہ کو اس کی ہدایت ہے کہ اپنی محنت سے اپنا مقام بنائے، کسی کے بھروسے نہیں۔

مذکورہ آیت میں کہا گیا کہ جو شخص بھی خوشی خوشی نیکیاں کرے گا وہ اللہ کو اعمال کا بڑا قدرداں پائے گا، اللہ بھولتا نہیں ہے، وہ علیم بھی ہے اور قدرداں بھی ہے۔ نیکی سے باز رہنے کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ جس کے ساتھ ہم نیکی کررہے ہیں اسے وہ نیکی یاد ہی نہ رہے تو اس نیکی کا کیا فائدہ، دوسرے یہ کہ فلاں کے نزدیک نیکی کی کوئی قدر ہی نہیں، لہٰذا نیکی کیوں کی جائے؟! اسی لیے آیت میں خالق فطرت اللہ رب العزت نے اپنی انہی صفات کو اجاگر کیا ہے، جن کا تعلق نیکی کی قبولیت اور اسے یاد رکھنے سے ہے۔

بقیہ : نکاح کے چند مسائل

............پھر اگر دوسرے نکاح میں وہی مہر مقرر کیا جو پہلے میں مقرر کیا تھا، تو راجح قول کے مطابق صرف ایک ہی مہر واجب ہوگا اور اگر پہلے سے بڑھا کر دوسرا نکاح کیا ہے تو اضافہ شدہ رقم بھی اصل مہر کے ساتھ واجب ہوگی۔ (شامی:۲/۳٦٦)

مذاق میں ایجاب وقبول:

اگر فریقین گواہوں کی موجودگی میں مذاق مذاق میں ایجاب وقبول کرلیں تو شرعاً نکاح منعقد ہوجائے گا، اس لیے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے فرماتے ہیں: رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے، نکاح، طلاق اور رجعت۔''

(ترمذی:۱۱۸۴، ابوداؤد:۲۱۹۴، فتح القدیر:۳/۱۹۰)

ڈرامہ میں کیا جانے والا نکاح:

اگرچہ مذاق میں کیا جانے والا نکاح منعقد ہوجاتا ہے، لیکن اگر ڈرامہ جیسی چیزوں میں لڑکا اور لڑکی نکاح کا رول ادا کریں تو نکاح منعقد نہیں ہوگا، جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے فتویٰ میں اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ڈرامہ میں کیے جانے والے نکاح سے مقصود ریکارڈنگ اور حکایت ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کے نزدیک بھی یہ بات معروف ہوتی ہے کہ مقصود نکاح نہیں بلکہ ریکارڈنگ اور حکایت ہے، اس لیے کہ ڈرامہ میں پہلے ڈرامہ نگار فرضی کہانی لکھتا ہے اور ڈرامہ میں کام کرنے والے اس فرضی کہانی کی عکاسی کرتے ہوئے اس کی حکایت کرتے ہیں، لہٰذا ڈرامہ میں اسکرپٹ کی نقل سے نکاح منعقد نہیں ہوگا، اگرچہ حقیقی نام سے بھی ہو۔الخ۔'' (فتویٰ:۱۴۴۱۰۵۲۰۰۸۳۹)

عیدالاضحیٰ کے متفرق مسائل

قربانی کس پر واجب ہے: قربانی ہراس مسلمان، مرد وعورت، مقیم پر واجب ہے، جس کے پاس قربانی کے دنوں میں قرض وضع کرنے کے بعد بقدر نصاب سونا یا چاندی کی قیمت ہو جو حوائج اصلیہ مثلاً رہنے کے گھر اور سواری کرنے کے اسباب وغیرہ سے زائد ہو۔ قربانی کا نصاب صدقہ فطر کے نصاب کی طرح ہوتا ہے، زکوٰۃ کے نصاب کی طرح نہیں ہوتا، چنانچہ قربانی واجب ہونے کے لیے نہ سال گزرنا شرط ہے نہ مال میں نمو ہونا، اگر ان ایام میں کسی کے پاس ساڑھے سات تولہ (تقریبا ۸۷؍گرام) سونا یا ساڑھے باون تولہ (تقریبا ۶۱۲؍گرام) چاندی یا اتنی چاندی کے بقدر روپیہ یا کوئی فالتو سامان مثلاً رہنے کے گھر کے علاوہ زائد گھر ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس سے زائد ہے تو اس پر قربانی واجب ہو جائے گی جب کہ زکوٰۃ اس وقت فرض ہوتی ہے جب مال پر سال گزر جائے، اسی طرح غیر نامی اسباب جیسے گھر پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی خواہ وہ رہائشی ضروریات سے زائد ہی کیوں نہ ہو۔

کن جانوروں کی قربانی جائز ہے:

قربانی میں صرف تین جنس کے جانور متعین کر دیئے گئے ہیں:

(۱) بکرا بکری اور اس کی جنس جیسے بھیڑ اور دنبہ وغیرہ یہ جانور صرف ایک کی طرف سے کفایت کرتے ہیں، ان کی قربانی کا ذکر کئی احادیث میں وارد ہوا ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے: ''حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے دوسینگوں والے سیاہ وسفید رنگ کے بکروں کی قربانی فرمائی''۔ (متفق علیہ)

(۲) گائے اور اس کی جنس مثلاً بھینس اس کی قربانی سات افراد کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

(۳) اونٹ کی جنس اس کی قربانی بھی سات افراد کی طرف سے ہوسکتی ہے، گائے اور اونٹ کی قربانی جائز ہونے اور سات افراد کی طرف سے کافی ہونے کا ذکر بھی کئی احادیث میں آیا ہے، مثلاً ''حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: گائے سات افراد کی طرف اور اونٹ سات افراد کی طرف سے کفایت کریں گے''۔

ان جانوروں کے علاوہ کسی اور جانور مثلاً ہرن، نیل گائے وغیرہ کی قربانی درست نہیں ہوگی خواہ پالتو ہی کیوں نہ ہو۔

جانوروں کی عمریں: ''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ صرف مسنہ کی قربانی کیا کرو، الا یہ کہ تم پر دشواری ہو جائے تو چھ ماہ والے دنبہ کی قربانی کرلو''۔ (مسلم)

اس حدیث کی بنیاد پر فقہاء فرماتے ہیں کہ اونٹ، گائے، بھینس اور بکرے کی نر و مادہ کا مسنہ ہونا ضروری ہے ورنہ قربانی نہیں ہوگی صرف دنبہ کا اگر چھ ماہ یا اس سے زیادہ ہو اور اتنا فربہ ہو کہ سال بھر کا لگتا ہو تو اس کی قربانی درست ہوگی، اور اونٹ میں مسنہ وہ ہے جو پانچ سال مکمل کر چکا ہو اور چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو، گائے او ربھینس میں مسنہ وہ ہے جو دوسال مکمل کر چکا ہو اور تیسرے سال میں داخل ہو گیا ہو، بکرے اور بھیڑ وغیرہ میں مسنہ وہ ہے جو ایک سال مکمل کر چکا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، اگر ان ذکر کردہ عمروں سے ایک دن بھی کم کا ہو تو قربانی صحیح نہیں ہوگی۔

جانور کیسا ہو: افضل یہ ہے کہ خوب عمدہ اور بہترین جانور کی قربانی کرے، اور نیت صحیح رکھے ورنہ پورا ثواب رائیگاں جانے کا اندیشہ رہے گا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۤؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾ (اللہ تعالیٰ کو قربانی کے جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، اللہ تعالیٰ کو تو تمہارا التقویٰ-اورنیت-پہنچتی ہے)۔

جس جانور کی قربانی کرنا ہو اس کو تمام عیوب سے خالی ہونا چاہیے، البتہ اگر معمولی عیب ہو تو قربانی صحیح ہو جائے گی۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو حکم دیا

کہ ہم جانور کی آنکھ اور کان کا بغور جائزہ لے لیں اور ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کے کان سامنے یا پیچھے سے کٹے یا پھٹے یا سوراخ والے ہوں'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی) حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: ''قربانی کے جانور میں کن عیوب سے بچنا چاہیے؟ تو آپ ﷺ نے ہاتھ سے چار کا اشارہ کر کے فرمایا: ''(۱) وہ لنگڑا جانور جس کا لنگ ظاہر ہو، (۲) وہ کانا جانور جس کا یک چشم ہونا ظاہر ہو، (۳) وہ بیمار جانور جس کا مرض ظاہر ہو، (۴) لاغر جانور جس کے گودا ہی نہ ہو'' (موطأ، مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد)۔

انھیں احادیث کے پیش نظر فقہاء نے عیوب کے سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیلات بیان فرمائی ہیں:-

۱- جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا ایک آنکھ کی تہائی روشنی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو،اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

۲-جس جانور کا ایک کان تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گیا اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے،اس سے کم کٹا ہو تو قربانی کی جاسکتی ہے۔

۳-جس جانور کی دُم تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے۔

۴-جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ صرف تین پیروں سے چلتا ہے؛ چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہیں ہے، یا رکھتا تو ہے لیکن اس سے چل نہیں سکتا، تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، اور اگر چلتے وقت وہ پاؤں زمین پر ٹیک کر چلتا ہے، اور چلنے میں اس پر کچھ بوجھ ڈالتا ہے لیکن لنگڑا کر چلتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔

۵-اگر جانور بالکل لاغر اور مریل ہے، اس کی ہڈیوں تک میں گودا نہیں بچا ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، لیکن اگر اس حد تک لاغر نہیں ہے تو افضل تو بہر حال فربہ جانور کی قربانی کرنا ہے- جیسا کہ گزر چکا ہے-لیکن بہر حال اس جانور کی بھی قربانی درست ہے۔

۶-جس جانور کے بالکل دانت نہ ہوں اس کی قربانی درست نہیں ہے، اور اگر کچھ دانت گر گئے لیکن جتنے گرے ہیں ان سے زیادہ موجود ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۷-جس جانور کے پیدائشی طور پر ہی کان نہیں ہیں اس کی قربانی بھی درست نہیں ہے، البتہ اگر کان ہیں لیکن چھوٹے چھوٹے ہیں تو اس کی قربانی درست ہے۔

۸-جس جانور کے پیدائشی طور پر سینگ نہیں ہیں، یا پیدائشی طور پر تھے لیکن بعد میں ٹوٹ گئے تو اس کی قربانی درست ہے، البتہ اگر بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں ہے۔

۹-جس طرح غیر خصّی جانور کی قربانی جائز ہے اسی طرح خصّی جانور کی بھی قربانی جائز ہے؛ اس لیے کہ خصّی ہونا کوئی عیب نہیں ہے اس سے تو اس کے گوشت کی لذت بڑھ جاتی ہے، اور حدیث شریف میں صراحت کے سے آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دو خصّی بکروں کی قربانی کی۔ البتہ جس جانور کا نر یا مادہ ہونا واضح نہ ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

۱۰-خارش زدہ جانور کی قربانی بھی درست ہے، البتہ اس سے اگر اتنا لاغر ہو گیا جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں ہے۔

قربانی کے ایام: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے لے کر بارہویں ذی الحجہ کے سورج کے غروب ہونے تک اس کا وقت ہے، لیکن جہاں عید کی نماز درست ہوتی ہے وہاں عید کی نماز سے پہلے قربانی کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ حضرت جندب بن عبداللہؓ فرماتے ہیں: میں نے قربانی کے دن نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز میں شرکت کی، پھر جب آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ نماز سے پہلے ہی جانور ذبح کر دیے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی ہے وہ اس کی جگہ دوسری قربانی کرے، اور جس نے قربانی نہیں کی ہے وہ اللہ کے نام سے قربانی کر لے'' (متفق علیہ)۔

ہاں، اگر کوئی ایسی چھوٹی بستی میں رہتا ہے جہاں عیدین اور جمعہ کی نماز درست نہیں ہوتی، وہاں طلوع فجر کے بعد ہی قربانی کی جا

سکتی ہے،اور شہر کے باشندے بھی وہاں اپنا جانور بھیج کر طلوع فجر سے پہلے قربانی کرا سکتے ہیں۔

ان تین ایام میں رات دن کسی وقت بھی قربانی کرائی جا سکتی ہے، لیکن سب سے افضل دن پہلا ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا، اور فقہاء نے اس اندیشہ سے رات میں قربانی کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے کہ روشنی کم ہونے کے سبب کہیں ایسا نہ ہو کہ رگیں صحیح طور سے کٹ نہ سکیں؛ لہٰذا اگر روشنی کا ایسا معقول نظم ہو کہ اس طرح کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو اِن شاءاللہ یہ کراہت نہ ہوگی۔

قربانی کا طریقہ: اپنی قربانی' افضل یہ ہے کہ اپنے ہاتھ سے کی جائے، ہاں اگر خود ذبح کرنے پر قادر نہیں ہے تو دوسرے سے ذبح کرانا بھی جائز ہے، اس صورت میں اس کے لیے افضل یہ ہے کہ قربانی کے وقت موجود رہے۔

قربانی کی نیت صرف دل سے کرنا کافی ہے، زبان سے کہنا ضروری نہیں البتہ ذبح کرتے وقت بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر کہنا ضروری ہے، آنحضرت ﷺ جب جانور کو ذبح کرنے کے لیے لٹاتے تھے تو یہ آیت پڑھا کرتے تھے، اس لیے قبلہ رخ لٹاتے وقت اس آیت کا پڑھنا مسنون ہے: ﴿إِنِّـي وَجَّهْـتُ وَجْهِـيَ لِلَّـذِيْ فَطَـرَ السَّمَـاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَمَا أَنَاْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ☆ قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَاْ أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ اللّٰهم منك ولك" پھر بسم اللّٰہ اللّٰہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔ (احمد، ابوداؤد)

اور یاد ہو تو ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے: "اللهم تقبله مني كما تقبلت من حبيبك محمدٍ و خليلك ابراهيم عليهما الصلاة والسلام"

قربانی کا گوشت: افضل یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصے کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے رکھے، ایک حصہ عزیز واقارب میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کرے اور اگر چاہے تو پورا گوشت خود بھی استعمال کر سکتا ہے۔

بقیہ : حضرت موسیٰ وخضر کا سفر

حضرت موسیٰ نے کہا: اب اگر میں آپ سے اس کے بعد سوال کروں تو مجھے آپ یقیناً ساتھ نہ رکھیں، تب تو میرے سلسلہ میں آپ کے پاس واقعی عذر ہو جائے گا کہ ہم نے آپ سے صبر وضبط کا وعدہ کرنے کے باوجود بھی اس کی خلاف ورزی کی، لہٰذا ہمارا آپ کا ساتھ ختم ہو جائے گا، اس لیے کہ واقعی ہم سے وعدہ خلافی ہوئی ہے۔

یہ دونوں حضرات سفر کے دوران ایک بستی میں جا کر ٹھہرے، سفر کی وجہ سے تکان تھا اور بھوک کا بھی تقاضا تھا، لیکن اس بستی کے لوگوں نے ان کی ضیافت نہیں کی، جب کہ قدیم زمانہ میں رواج تھا کہ اگر بستی میں کوئی مہمان آجاتا تو وہاں کے لوگ اس کو اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے، اس کی خیریت دریافت کرتے اور اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرتے تھے، لیکن یہ لوگ جس بستی میں ٹھہرے تھے، ان سے کسی نے کھانے وغیرہ کے لیے نہیں پوچھا اور یہ لوگ بھوکے ہی رہے، اسی دوران ان کی نگاہ اپنے سامنے ایک ایسی دیوار پر پڑی جو خاصی جھک گئی تھی اور ڈر تھا کہ کہیں گر نہ جائے، چنانچہ حضرت خضر فوراً اٹھے اور دیوار کو ازسرنو سیدھا کر دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس عمل پر بھی بہت تعجب ہوا اور کہا: یہ تو بہت خوب ہوا، بستی والوں نے ہم سے کھانے تک کو نہیں پوچھا اور ہمارے ساتھ ذرا بھی اخلاق نہیں برتا، لیکن آپ ان کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہیں، یہ تو عجیب بات ہوئی اور اگر آپ کو یہ سلوک کرنا ہی تھا تو یہ شکل بھی ممکن تھی کہ آپ ان سے اس عمل کی اجرت لے لیتے، تاکہ ہمیں اس کے بدلہ کھانا نصیب ہو جاتا، اس لیے کہ ہمیں اس وقت کھانے کی ضرورت تھی اور اگر اس عمل کا معاوضہ مل جاتا تو ہماری پریشانی دور ہو جاتی، حضرت خضر نے کہا: اب بس کریں، آپ ہمارے ساتھ صبر سے کام نہیں لے سکتے، آپ کے اور ہمارے درمیان جدائی کی یہی منزل ہے، کیونکہ آپ مسلسل وعدہ خلافی کر رہے ہیں۔

(جاری)

محمد ارمغان بدایونی ندوی

حضرت مولانا علی میاں ندویؒ
بحیثیت عربی ادیب

''برادرم ابوالحسن! آپ کا صد ہزار شکر یہ کہ آپ نے دوبارہ میرے اندر اپنی ذات اور اپنے ادب پر اعتماد بحال کردیا۔''
(شیخ علی طنطاویؒ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ دنیائے علم وادب کا ایک بڑا نام ہے، جن کے ذوق ادب کا عرب دنیا نے صدق دل سے اعتراف کیا ہے، مولاناؒ کا خاندانی ماحول عربی زبان وادب کا ذائقہ شناس تھا، اسی لیے کم سنی ہی میں عربی زبان سے محبت وشیفتگی پروان چڑھانے میں اس ماحول نے اہم کردار نبھایا، پھر عربی زبان کی باقاعدہ تحصیل میں انہیں ایسے باکمال اور صاحب طرز ادباء کی صحبت میسر رہی جو انشاء ولغت کے مسائل میں سند کا درجہ رکھتے تھے، حضرت مولاناؒ کی عربی زبان وادب میں رسوخ وممارست کا ایک بڑا ذریعہ عربی رسائل وجرائد بھی تھے، جن میں بلند پایہ اسلامی ادباء اور فکر اسلامی کے ممتاز اہل قلم کے مضامین شامل اشاعت ہوتے تھے۔

عربی زبان وادب کی راسخ تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ محض سولہ سال کی عمر میں حضرت مولاناؒ کا فیض قلم رواں ہوگیا، ابتداء میں آپ نے علامہ اقبال کی کئی نظموں کا فصیح عربی نثر میں ترجمہ کیا، ۱۹۲۹ء کو جب حضرت مولاناؒ کا لاہور کا پہلا سفر ہوا تو مولاناؒ نے علامہ اقبال کی مشہور نظم ''چاند'' کا عربی ترجمہ ان کی خدمت میں پیش کیا، جس کو انہوں نے بغور ملاحظہ کیا اور بہت پسند فرمایا۔

حضرت مولانا علی میاںؒ نے ۱۹۳۱ء میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات پر مشتمل ایک اردو مضمون کا سلیس اور رواں عربی میں ترجمہ کیا جس کو ۱۹۳۱ء میں مشہور مصری ادیب علامہ رشید رضا نے اپنے رسالہ ''المنار'' میں شائع کیا اور اس کو الگ سے رسالہ کی شکل میں طبع کرانے کی درخواست بھی کی، حضرت مولاناؒ کی کسی زبان میں یہ پہلی علمی وادبی تخلیق تھی جو زیور طبع سے آراستہ ہوئی، آپ لکھتے ہیں:

''میری عمر اس وقت سولہ سال کی رہی ہوگی، یہ میری پہلی تصنیف ہے جو نہ صرف ہندوستان بلکہ مصر سے شائع ہوئی۔''
(کاروان زندگی: ۱/ ۱۱۸)

حضرت مولاناؒ کی تبحر علمی، شرافت نفسی اور فکر انگیزی کے سبب آپ کا کاروان ادب جمود وتعطل کا شکار نہ ہوا، بلکہ اس کا دائرۂ اثر پختہ اور وسیع تر ہوتا رہا، آپ کے ادب کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ شعوری اور گہری فکر کا نتیجہ اور علم وحکمت کا سرچشمہ تھا، جس میں خون جگر کی آمیزش کے ساتھ عشق وعمل کی روح بھی موجود تھی، آپ کی تحریروں سے محض نثر میں شعری حسن ہی نہیں جھلکتا، بلکہ وہ جذبات کی فراوانی، ایمانی پختگی اور زبان کی شستگی کا بھی زندہ وجاوید نمونہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ آپ کے دلکش ودل آویز اسلوب بیان پر اہل زبان بھی انگشت بدنداں رہ گئے اور دل کھول کر داد دی، شیخ محمد المجذوب رقم طراز ہیں:

''شیخ ندوی کی تحریروں کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ادبی تحریر میں ایسا جادو ہے جو دوسرے مصنفین کی تحریروں میں نہیں ملتا۔'' (سوانح مفکر اسلام: ۴۹۵-۴۹۶)

بلاشبہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ایک عالمی اسلامی ادیب تھے، جنہوں نے اپنی ایمانی فراست، وسیع فکر اور اصابتِ رائے سے اسلامی ادب کو سیاسیات واقتصادیات اور زندگی کے عملی شعبوں سے جوڑنے کی کامیاب کوششیں کیں، اس کے لیے آپ نے ایک جامع نصاب تعلیم تیار کیا، عرب علماء سے مل کر عالمی رابطہ ادب اسلامی کے قیام کی کوششیں کیں اور اپنی تحریروں وتقریروں میں بھی اس کی اہمیت کی طرف تاعمر توجہ مبذول کراتے رہے۔

حضرت مولاناؒ کے قلم گہر بار نے اہل عرب کو خوب نفع پہنچایا،

مؤقر عربی رسائل میں اہل زبان واہل قلم کے مضامین کے پہلو بہ پہلو آپ کے مضامین بھی مسلسل قارئین کی دلچسپی کا سامان بنے رہے، اس کے علاوہ ۱۵۰/سے زائد اہم فکری وادبی وقیع تصنیفات کا سرمایہ بھی ہے، جس کی خوشبو مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی ہے، اس میں سرفہرست ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' ہے، جس کے متعلق خود عرب مصنفین کا یہ اعتراف ہے کہ یہ بیسویں صدی کی سب سے زیادہ چھپنے والی عربی کتاب ہے۔

حضرت مولاناؒ کا عربی اسلوب نگارش انتہائی دل نشیں، سلیس اور خوش آہنگ ہے، یہ حقیقت ہے کہ اگر قاری آپ کی تحریر پڑھنا شروع کردے تو ختم کیے بغیر رکھنا مشکل ہے، مولانا کا عربی ادب برجستہ، شستہ ورفتہ اسلوب کا آئینہ دار ہے، جس کا حسن ورعنائی نگاہوں کو خیرہ نہیں کرتی، بلکہ دلوں کو موہ لیتی ہے، آپ کی تحریروں میں طبیعت کی جولانی، ہلکے قوافی اور مترادفات کا امتزاج ہے، جس کو فکر ونظر کی سلامتی اور قلب وجگر کی طہارت نے ایک نمایاں رنگ عطا کیا ہے، آپ کی اکثر عربی تحریریں وتقریریں رفتہ رفتہ قاری کے سرد جذبات کو مہمیز دینے کا کام کرتی ہیں، بطور نمونہ یہ عبارت ملاحظہ ہو:

"إن هؤلاء الإخوان الذين فارقوا أهلهم، وغادروا ديارهم، وهجروا راحتهم، وما كانوا فيه من نعيم وسعادة، وكل ذلك في سبيل الله، ابتغاء رضوانه، إنهم جواهر كريمة، وأعلاق نفيسة، اختارهم الله من بين آلاف من الناس، وساقهم التوفيق والإيمان إلى هذه الناحية البعيدة، فنحن نعرف منزلتهم وقيمتهم، ونضمهم إلى صدورنا، ونحلهم من نفوسنا وقلوبنا أحب مكان وأعزه."

(إذا هبت ريح الإيمان: ۸۸)

(یہ ہمارے صاحب ایمان مسلمان بھائی اپنے گھربار، خویش وتبار، ناموس ونام، عیش وآرام ترک کرکے محض اللہ ورسول کی خوشنودی کے لیے آئے، ہمارے لیے گوہر نایاب اور لعل بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں، ان کی قدر ومنزلت ہم جانتے ہیں ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔)

مندرجہ بالا عبارت حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ جہاد کا ایک تعارفی اقتباس ہے، جو حسن ورعنائی سے بھرپور ہے نیز ہلکے قوافی اور مترادفات کا جامع ہے اور قرآن وحدیث کے اسلوب سے بالکل ہم آہنگ ہے، بظاہر یہ اسلوب بہت آسان اور جاذبِ طبیعت معلوم ہوتا ہے، مگر درحقیقت ایسا اسلوب طویل ریاضت کا طالب ہے۔

حضرت مولاناؒ کے طرز اسلوب میں جہاں قرآن وحدیث سے ہم آہنگی نظر آتی ہے، وہیں جا بجا قدیم عربی محاورات کا برمحل اور خالص عربی سلیقہ کلام میں ڈھلا ہوا استعمال بھی ملتا ہے، مثلاً:

قافلۂ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حالات وواقعات لکھنے میں جہاں آپ نے اغانی کے اسلوب کو اپنانے کا تذکرہ کیا ہے، وہیں درمیان کلام میں برمحل یہ محاورہ بھی رقم کردیا ہے:

"أنى يدرك الضالع شأو الضليع."

اسی طرح جب مجاہدین کا یہ قافلہ بالاکوٹ میں درجہ شہادت سے سرفراز ہوا، تو اس کے تذکرہ میں برجستہ یہ محاورہ لکھا ہے:

"وفاز من بين أقرانهم بالمقدح المعلى."

واقعہ یہ ہے کہ ایسے محاورات کے استعمال کا صحیح فہم اور ذوق تبھی پیدا ہوسکتا ہے جب انسان کا مزاج خالص عربی ہوجائے، یہ ایسے جملے ہیں جن کا اردو زبان میں ترجمہ آسان کام نہیں، بلکہ ان کا حقیقی لطف لینے کے لیے عربی زبان وادب کا ذوق ضروری ہے۔

حضرت مولاناؒ کا نظریہ تھا کہ حقیقی ادب مذہبی حقائق پر مبنی ہونا چاہیے، تاکہ وہ تخریب کے بجائے تعمیر کا ذریعہ بنے اور طرزِ فکر وعمل کی اصلاح کرے، نیز اخلاق وعادات میں انقلاب برپا کردے، ان کا کہنا تھا کہ ادب کو صحیح رخ پر لگانا ضروری ہے، تاکہ ادب انتشار خیال لذت اندوزی اور نفس پروری کے بجائے خیر پسندی، صلاح وتقویٰ، ضبط نفس اور صحیح رہنمائی کا آلہ وہتھیار بن سکے، اسی عظیم مقصد کو عملاً بروئے کار لانے کی خاطر آپ نے ادب کی متعدد کتابیں تصنیف کرکے اپنا مستقل تربیتی کورس تیار کردیا، ادب اطفال کے موضوع پر

آپ کی کتاب ''القراۃ الراشدۃ''،''قصص النبیین'' اور ''مختارات'' بلاشبہ عربی زبان وادب کے زندہ جاوید ہونے کا بین ثبوت ہیں۔

حضرت مولانا نے ''القراۃ الراشدۃ'' اور ''قصص النبیین'' میں بچوں کی ذہنی سطح ملحوظ رکھ کر جس طرح بتدریج عربی زبان وادب سے مناسبت کا ذوق پیدا کیا ہے، بلاشبہ تاریخ ادب عربی کا وہ ایک گراں قدر اضافہ ہے، ابتداء میں جملے چھوٹے اور سادہ ہیں، پھر بتدریج معانی مشکل اور جملے لمبے اور عبارت رواں ہوجاتی ہے، ساتھ ہی قرآنی الفاظ وآیات کو بھی اس انداز میں پرودیا ہے کہ انہیں سبق کا جز بنادیا ہے، اس طرح مطالعہ قرآن کی راہ ہموار کردی ہے۔

حضرت مولاناؒ کی مرتب کردہ کتاب ''مختارات'' بھی ادب عربی کا بیش بہا خزینہ ہے، جونزول قرآن سے لےکر آخری دور تک کے تمام ادباء کی فنی نثر اور ادبی سرمایہ کا بہترین کشکول ہے۔

حضرت مولاناؒ نے آسمان ادب وصحافت میں بھی اپنی کامیاب کوششوں سے چار چاند لگائے، آپ کی یہ سعی پیہم انتہائی سنجیدگی کے ساتھ مقصدیت کی روح سے معمور تھی، ماہنامہ ''البعث الاسلامی'' یا پندرہ روزہ ''الرائد'' اور اس سے قبل ''الضیا'' بلاشبہ یہ سب وہ جرائد ہیں جنہوں نے اسلامی عربی صحافت کی دنیا میں انقلاب برپا کردیا اور یہ سب حضرت مولاناؒ کی مخلصانہ جدوجہد ہی کا ثمرہ ہے۔

زبان وادب کی ترویج وترقی کے لیے ''رابطہ ادب اسلامی'' کا قیام بھی حضرت مولاناؒ کا ایک اہم کارنامہ ہے، جس کی پہلی کانفرنس لکھنؤ میں جنوری ۱۹۸۶ء کو ہوئی تھی، اس کا بنیادی مقصد ہی اسلامی ادب کی بنیادوں کو مضبوط کرنا اور اس کے فن تنقید کے ضوابط مرتب کرنا تھا، حضرت مولاناؒ کا منشا تھا کہ دنیا بھر کے اسلامی ادباء ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوں، سب کے مابین خوشگوار تعلقات ہوں اور بامقصد ادب کی تخلیق کی راہ ہموار ہو، اس لیے کہ حضرت مولاناؒ کا ماننا تھا کہ ادب پر کوئی بندش نہیں اور نہ ہی کسی کی اجارہ داری ہے، ادب مذہبی تعلیمات سے جدا کوئی فلسفہ نہیں ہے، بلکہ وہ مذہب کی روح ہے، ان کا نظریہ تھا کہ ایمانی شخصیت اور پاکیزہ سیرت وکردار کی تعمیر میں ادبی طاقت کا استعمال بنیادی حیثیت رکھتا ہے، رابطہ کے ایک اجلاس میں حضرت مولاناؒ نے اس حقیقت کی طرف کھل کر اشارہ کیا:

''ادب کی نہ کوئی قومیت ہے، نہ وطنیت ہے، نہ جنسیت ہے اور نہ وہ خالص اصطلاحات کا پابند ہے، نہ خاص ضوابط کا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ خود ادیبوں نے جنہوں نے اپنی زندگیاں ادب کے لیے وقف کیں اور اپنی بہترین صلاحیتیں اس کے لیے مخصوص کردیں، انہوں نے بھی ادب کے سمندر کو کسی آب جو میں تصور کیا، ادب ادب ہے خواہ وہ کسی مذہبی انسان کی زبان سے نکلے، کسی پیغمبر کی زبان سے ادا ہو، کسی آسمانی صحیفہ میں ہو، اس کی شرط یہ ہے کہ بات اس انداز سے کہی جائے کہ دل پر اثر ہو، کہنے والا مطمئن ہو کہ میں نے اچھی طرح کہہ دیا اور سننے والا اس سے لطف اٹھائے اور قبول کرے۔''

(دین وادب:۳۸)

حضرت مولاناؒ عربی تحریر کے ساتھ عربی تقریر کے بھی ماہر شہ سوار تھے، گویا وہ ادب لکھتے ہی نہیں بولتے بھی تھے اور ان کی زبان کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولتا تھا کہ سامعین کے سوئے ہوئے جذبات کو بیدار کردیتا تھا، گویا آپ علامہ اقبال کے اس شعر کی عملی تصویر تھے:

نغمہ ہندی ہے تو کیا لَے تو حجازی ہے مری

حضرت مولاناؒ کے بعض برجستہ عربی خطبات زبان وبیان کی فصاحت وبلاغت اور سلاست وروانی میں حجاج بن یوسف ثقفی اور طارق بن زیاد کے فصیح وبلیغ خطبات کی یاد تازہ کردیتے ہیں، مثلاً:

"أحييك يا مصر! بتحية الإسلام، وأحيي فيك الزعامة للعالم العربي، الزعامة التي كانت عن جدارة واستحقاق، لا عن احتكار واغتصاب، وإنك تحلين اليوم في العالم العربي محل السمع والبصر، ومحل العقل والفكر، رضي به الناس أم لم يرضوا ولكن الواقع لا ينكر." (اسمعي يا مصر: ۳)

حضرت مولاناؒ کی زباں دانی اور عربی ادب کی ذائقہ شناسی کا نتیجہ تھا کہ بالاتفاق تمام عرب ادباء، سلاطین وامراء اور اہل ذوق اپنا قافلہ سالار سمجھتے تھے اور آپ متعدد اہم عالمی مناصب پر فائز تھے۔

بقائے انفع کا بے لاگ قانون

محمد نفیس خاں ندوی

اللہ تعالی نے اس کائنات میں جو نظام جاری فرمایا ہے اور جس کو دنیا نے بھی تسلیم کیا ہے وہ بقائے انفع کا بے لاگ قانون ہے، جس چیز میں کوئی نافعیت یا انسان کی بقاء ونشونما اور اس کی راحت وترقی کا کوئی انحصار نہیں وہ چیز بہت جلد اپنا وجود کھودیتی ہے، قرآن مجید نے اپنے بلیغ اسلوب میں اس حقیقت کو ''زبد'' (جھاگ) کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاء وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الأَرْض (الرعد:۱۷)

(جہاں تک جھاگ کا تعلق ہے سووہ بے کار چلا جاتا ہے، اور جو چیز لوگوں کے نفع بخش ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے)

بقائے انفع کا قانون دنیا کی ہر قوم کے لیے ہے، تاریخ کے صفحات میں ایسی دسیوں قوموں دفن ہیں جو اپنے دور میں تہذیبی و سیاسی بلندی کی مثالیں تھیں، زندگی کے ہر میدان میں انہیں کا سکہ رواں تھا، لیکن جب ان کی نافعیت ختم ہوگئی تو ان کا وجود بھی ایک بوجھ بن گیا جسے بہر حال فنا کے گھاٹ اترنا تھا۔

بقا کا قانون دیگر قوموں کی طرح مسلمانوں کے ساتھ بھی خاص ہے، جس طرح دنیا کے کسی بھی خطہ کے مسلمان اس خدائی قانون سے مستثنیٰ نہیں اسی طرح یہ قانون اپنی شرطوں ونتائج کے ساتھ ملک ہندوستان میں بھی نافذ ہے۔

اگر مسلمان اس ملک میں مذہبی آزادی کے ساتھ رہنے کا استحقاق چاہتے ہیں تو انھیں اپنی نافعیت کو ثابت کرنا ہوگا یعنی ان کو اپنے جوہر کا ثبوت دینا ہوگا کہ زندگی کی کوئی ضرورت ہے جو ان کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی، وہ روحانیت، اخلاقی بلندی اور خدمت خلق کے ایسے محاذ پر کھڑے ہیں کہ اگر انھیں اس محاذ سے ہٹا دیا گیا تو زندگی میں ایسی خلیج قائم ہوگی جس کو بڑی بڑی حکومتیں بھی نہیں پاٹ سکتیں۔ آج زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے اور جس کی قدر کرتا ہے وہ نفع کی اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے۔

جب تک مسلمانوں نے اپنی نافعیت کا ثبوت دیا تب تک دنیا نے بھی ان کے وجود کو اپنے لیے ضروری سمجھا، ایسی دسیوں مثالیں ہیں کہ لوگوں نے مسلمانوں کا پڑوسی بننے کو قیمتی سرمایہ سمجھا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ ان کا پڑوسی ایک یہودی شخص تھا، جب اس نے اپنا مکان فروخت کرنا چاہا تو اس کی قیمت دو ہزار دینار طے کی، ایک شخص نے کہا کہ اس علاقہ میں ایسے مکان کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک ہزار دینار ہونی چاہیے۔ اس یہودی نے جواب دیا کہ گھر کی قیمت ایک ہزار ہی ہے، مزید ایک ہزار عبداللہ ابن مبارک کے پڑوس کی ہے۔

آج بھی بقائے انفع کا بے لاگ قانون اسی طرح نافذ ہے اور دنیا اسی کو تسلیم کرتی ہے، اس لیے دوٹوک بات یہی ہے کہ اس ملک میں مسلمانوں کی بقا کا ایک ہی راستہ ہے کہ وہ اپنی نافعیت کو ثابت کریں، اور یہ یقین دلائیں کہ اگر ان کا وجود نہیں رہا تو ملک میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جو کوئی اور پُر نہیں کرسکتا۔

مسلمان صرف اس لیے باقی نہیں رہ سکتے کہ وہ یہاں صدیوں سے آباد ہیں، ماضی میں ان کے گرانقدر کارنامے ہیں یا ان کی یادگاریں قائم ہیں، اس ملک کی آزادی میں ان کا بڑا حصہ ہے یا یا فلاں فلاں دور میں اور فلاں فلاں حکومت میں ان کو خاص مراعات حاصل تھیں، کیونکہ دنیا صرف نافعیت کو دیکھتی ہے، اور یہ وہ قانون

ہے جس میں رحم کی درخواست نہ کبھی سنی گئی اور نہ کبھی سنی جائے گی۔

مسلمانوں کے حق میں بقائے انفع کا قانون ان کے دینی ودعوتی جذبہ سے مربوط ہے، اور یہی جذبہ ملت کی ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی بنیاد ہے، جب تک غیر مسلموں سے معلامات استوار کرنے اور ان پر براہ راست اثرانداز ہونے کا جذبہ نہیں ہوگا اور ان کو اپنے وجود کی ضرورت کا احساس نہیں دلایا جائے گا کسی بھی طرح کی ملی وقومی سرگرمی کے اثرات بھی ظاہر نہیں ہوں گے۔

دعوتی جذبہ میں اللہ نے بڑی تاثیر ومحبوبیت رکھی ہے، یہی جزبہ مسلمانوں کے وجود وبقا اور ان کے عروج کا ضامن ہے، اسی جذبہ نے ان کو قلت میں کثرت پر اور بے سرسامانی میں وسائل وذرایع کی بہتات پر غلبہ دلایا ہے، اسی جذبہ نے باغی اقوام کو رام کیا، ہٹ دھرموں کو سرنگوں کیا اور سخت دلوں کو بھی موم کیا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں مسلم حکمراں اسی دعوتی جذبہ سے عاری تھے، انھوں نے مذہبی مساوات کی غیر معمولی کوششیں کی، اسلامی تعلیمات میں کسی قدر چشم پوشی سے بھی کام لیا، غیروں میں شادیاں رچائیں، محلات میں مندر تعمیر کروائے، عوام کا دل جیتنے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی لیکن ہزار سالہ دور کشوری و مذہبی رواداری کے باوجود تاج محل کی حسین آرائشوں، عالیشان مقبروں میں سونے والے آج محض آثار قدیمہ کی یادگار ہیں، لال قلعہ کے زائرین دیوان عام ودیوان خاص کی پیشانی پر فردوس بریں کا ٹیکہ دیکھ سکتے ہیں جو اپنے پیش رو آقاؤں کو آواز دے رہا ہے کہ ہزار برس کی حکمرانی کے بعد بھی سرزمین ہند تمھیں اپنا نہیں بنا سکی، آج بھی تم اس کے سینہ پر ایک بوجھ ہو، اور ایک حملہ آور، ظالم وستمگر کے نام سے یاد کیے جاتے ہو۔

جبکہ دوسری جانب حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ، حضرت شرف الدین یحیٰ منیریؒ جیسی دسیوں شخصیات ہیں جن کے ہاتھوں پر لاکھوں افراد نے کلمہ اسلام پڑھا ہے، آج ان کا سنتے ہی سخت گیر ہندو بھی تعظیم میں سر جھکا لیتا ہے، ان کے مزار پر حاضر ہونا، قبروں پر چادریں چڑھانا، منتیں مانگنا، ان کو مشکل کشا وحاجت روا سمجھنا ایک عام سی بات ہوگئی ہے، نفرت ومحبت کی اسی کسوٹی کا نام دعوتی جذبہ ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ آج مسلمانوں نے جو طرز زندگی اختیار کر رکھا ہے اس کا سیرت طیبہ (ﷺ) سے کوئی جوڑ نظر نہیں آتا، جس طرح کی مادیت پرستی اور دنیا طلبی میں مسلمان ملوث ہیں وہ کسی بھی طرح ان کے وجود کی ضامن نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں مسلمانوں کے خلاف ایک عمومی ذہنیت پنپ رہی ہے، کچھ مسلمانوں کے طرز زندگی نے، کچھ میڈیائی پروپیگنڈہ نے اور کچھ سیاسی مفادات نے یہ سمجھا دیا ہے کہ مسلمان خالص قوم پرست ہیں، ان کو اپنے مدرسوں، مسجدوں اور جماعتوں کے سوا انسانیت کے مسائل سے کوئی سروکار نہیں، ملک کی تعمیر وترقی سے زیادہ انھیں اپنے مفادات عزیز ہیں۔ یہ ذہنیت مسلمانوں کے لیے کسی بڑے خطرہ سے کم نہیں ہے۔

صرف اسلام کی حقانیت اور مسلمانوں کی افادیت کا دعویٰ کسی طرح مفید نہیں، کیونکہ جب تک عملی تصویر نہیں پیش کی جائے گی دنیا یہی کہے گی کہ ایسی اچھی اچھی باتیں تو کتابوں میں بھری پڑی ہیں، اچھی باتیں کرنا بہت آسان ہے مگر ان باتوں پر عمل کرنا مشکل ہے۔ اس لیے اس ذہنیت کو بدلنے کے لیے سب سے پہلے اپنے اندر تبدیلی لانی ہوگی۔

دعوتی سرگرمیوں سے وابستہ ہر فرد کو یہ سمجھنا ہوگا کہ اس کام میں اولین مخاطب اس کی اپنی ذات ہے، اس کا طرز معاشرت، اس کے معاملات اور اس کے بلند اخلاق ہی اس کی انسانیت کا آئینہ ہے، جب تک وہ ذاتی سطح پر ایک مثالی مسلمان نہیں بنے گا تب تک وہ ایک کامیاب داعی بھی نہیں بن سکتا، اور دعوتی جذبہ کے بغیر انسانیت کوئی بھی خدمت مفید نہیں ہوسکتی۔

حج میں تاخیر کیوں؟!

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

''حج ارکان اسلام میں سے چوتھا رکن ہے اور صاحب استطاعت پر اللہ تعالیٰ نے عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض قرار دیا ہے اور جب یہ حج فرض ہو جائے تو اب حکم یہ ہے کہ اس فریضہ کو جلد از جلد ادا کیا جائے، بلا وجہ حج کو مؤخر کرنا درست نہیں، آج کل ہم لوگوں نے حج کرنے کے لیے اپنے اوپر بہت سی شرطیں عائد کر لی ہیں، جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، مثلاً: جب تک مکان نہ بن جائے یا جب تک بیٹیوں کی شادیاں نہ ہو جائیں، اس وقت تک حج نہیں کرنا چاہیے، یہ خیال بالکل غلط ہے، یہ سوچنا کہ ہمارے ذمہ بہت سے کام ہیں، اگر یہ رقم ہم حج میں صرف کر دیں گے تو ان کاموں کے لیے رقم کہاں سے آئے گی؟ یہ سب فضول خیالات اور فضول سوچ ہے، اللہ تعالیٰ نے حج کی خاصیت یہ رکھی ہے کہ حج ادا کرنے کے نتیجہ میں آج تک کوئی شخص مفلس نہیں ہوا، قرآن میں ہے کہ ہم نے حج فرض کیا ہے، تاکہ اپنی آنکھوں سے وہ فائدے دیکھے جو ہم نے ان کے لیے حج کے اندر رکھے ہیں، حج کے بے شمار فائدے ہیں، ان کا احاطہ کرنا بھی ممکن نہیں ہے، ان میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرما دیتے ہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک ہم والدین کو حج نہیں کرا دیں گے، اس وقت تک ہمارا حج کرنا درست نہ ہوگا، یہ محض جہالت کی بات ہے، ہر انسان پر اس کا فریضہ الگ ہے، ہر انسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے اعمال کا مکلّف ہے، اس کو اپنے اعمال کی فکر کرنی چاہیے، نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے لیے بڑی سخت وعید بیان فرمائی ہے جو صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج نہ کرے، چنانچہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص پر حج فرض ہو گیا ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، لہٰذا یہ معاملہ اتنا معمولی نہیں ہے کہ انسان حج کے فریضہ کو ٹالتا رہے اور سوچتا رہے کہ جب فرصت اور موقع ہوگا تب حج کر لیں گے۔

البتہ حج ایک چیز پر موقوف ہے، وہ یہ کہ اگر کسی شخص پر قرض ہے، تو قرض ادا کرنا حج پر مقدم ہے، قرض ادا کرنے کی اللہ تعالیٰ نے بڑی سخت تاکید فرمائی ہے کہ انسان کے اوپر قرض نہیں رہنا چاہیے، اس کے علاوہ لوگوں نے اپنی طرف سے جو کام حج پر مقدم کر رکھے ہیں، مثلاً: پہلے میں اپنا مکان بنالوں یا پہلے مکان خرید لوں، یا پہلے گاڑی خرید لوں، پھر جا کر حج کر لوں گا، اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض لوگ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ جب بڑھاپا آ جائے گا تو اس وقت حج کریں گے، یاد رکھئے یہ شیطانی دھوکہ ہے، ہر وہ شخص جو بالغ ہو جائے اور اس کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ وہ حج ادا کر سکے تو اس پر حج فرض ہو گیا اور جب حج فرض ہو گیا تو جلد از جلد اس فریضہ کو انجام دینا واجب ہے۔''

(اصلاحی خطبات: ۱۴/۶۲-۶۷)

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Volume: 14 ✤ July 2022 ✤ Issue: 07

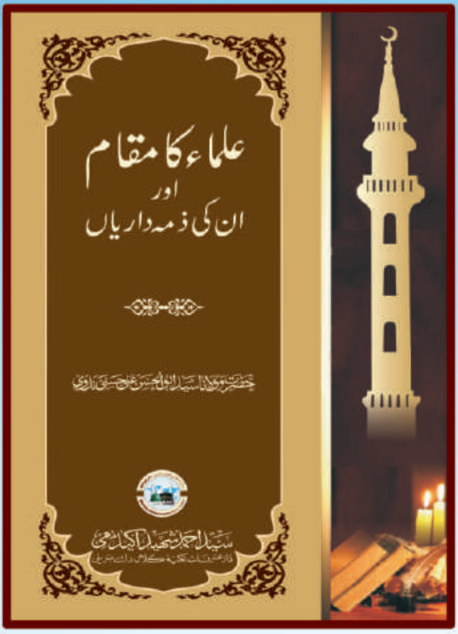

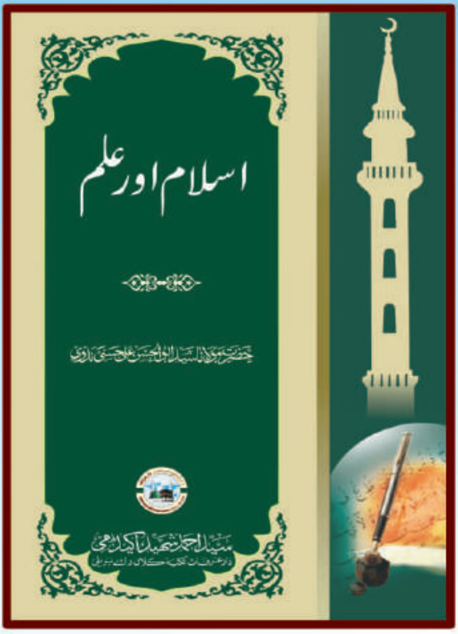

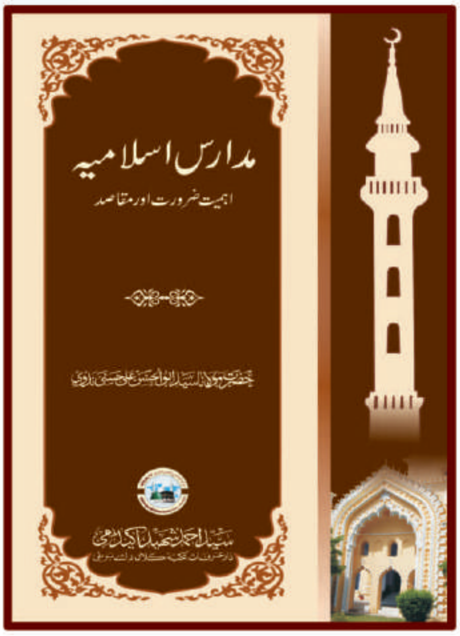

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)